تذکرۂ مجید.... شہیدِ ثالث

١٣٨٢ھ

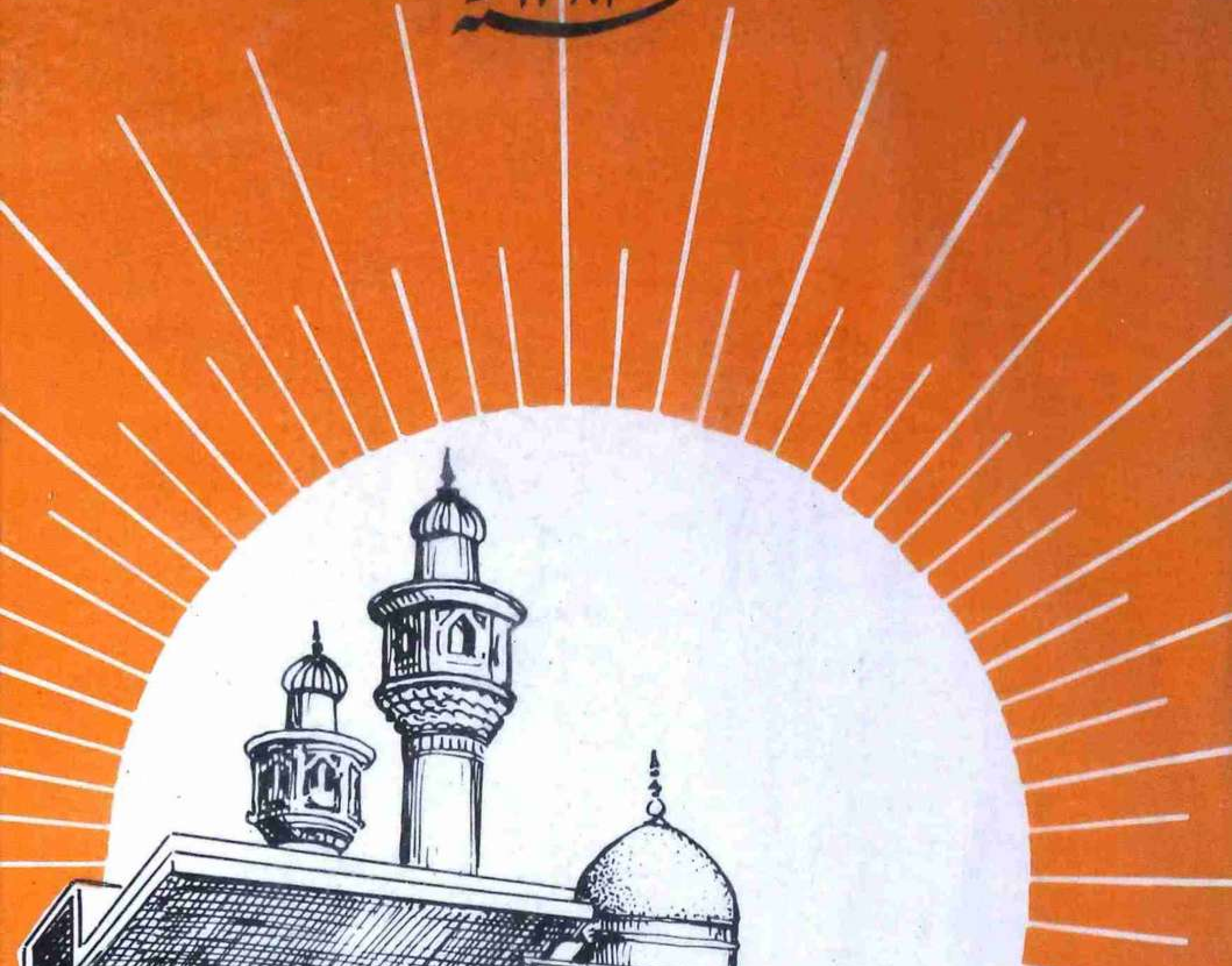

مزارِ شہید

سیّد سبط الحسن ہنسوی

638

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ مجید..... شہید ثالثؒ

سنہ ۱۳۸۲ھ

شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری علیہ الرحمۃ کے حالات
اور برصغیر میں مذہب شیعہ کی تاریخ دعوت و تبلیغ

مؤلفہ
سید سبط الحسن ہنسوی مرحوم

دارالثقافۃ الاسلامیہ
۷۔ عامل کالونی نمبر ۱ سولجر بازار کراچی ۵

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ——— تذکرۂ مجید.... شہید ثالثؒ
مؤلف ——— سید سبط الحسن ہنسوی مرحوم
ناشر ——— دار الثقافۃ الاسلامیہ

پہلا ایڈیشن ——— ۱۹۶۲ء
دوسرا ایڈیشن ——— ۱۹۶۷ء
تیسرا ایڈیشن ——— ۱۹۷۱ء
چوتھا ایڈیشن ——— ۱۹۷۹ء
پانچواں ایڈیشن ——— ۱۹۸۴ء / ۱۴۰۴ھ

تعداد ——— ۱۰۰۰

مطبع
نوید پرنٹنگ پریس ناظم آباد ۲ کراچی

63

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No 11, M.L. Heights,
Mizra Kalej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sajjad, opp; Nishtar Park,
Soldier Bazar, KARACHI,

فہرست

تذکرہ مجید — ۵

حرفِ اوّل۔ سیّد مرتضیٰ حسین — ۸

پیش لفظ — ۱۲

شجرۂ شہیدؒ — ۱۴

شہیدؒ کا وطن شوستر اور ان کا خاندان — ۱۵

شہیدؒ کے جدِ اعلیٰ اور شیعیت کی اشاعت — ۱۷

سیّد نور اللہ اور تبلیغی خدمات — ۱۷

میر نور اللہ اوّل کے مصنفات — ۲۰

شہیدؒ کے دوسرے بزرگ خاندان اور ان کی عظمت و خدمات علمیہ — ۲۱

شہیدؒ کے والد ماجد اور ان کا تبحرِ علمی — ۲۳

شہیدؒ کے برادرانِ حقیقی اور ان کی منزلت — ۲۵

شہیدؒ کی ولادت اور تعلیم و تربیت — ۲۶

شہیدؒ کا تبلیغ کے لیے سفر — ۲۷

تاریخ تبلیغِ مذہب شیعہ میں شہیدؒ کا بلند مقام — ۲۸

برصغیر اور مذہب شیعہ — ۲۹

شیعیت کے لیے موافق حالات — ۳۷

LIBRARY

دربارِ اکبری میں شیعہ عنصر کا غلبہ ———— ۳۸

شہیدؒ کا اکبری دربار میں داخل ہونا اور فقہ جعفری کی اہمیت کو ثابت کرنا ———— ۳۹

مخالفین کی رد میں شہیدؒ کے تصانیف ———— ۴۳

شہیدؒ کا تقیہ نہ کرنا ———— ۴۷

جہانگیری دور ———— ۵۵

شہادت کا واقعہ ———— ۶۰

قطعاتِ تاریخِ شہادت ———— ۶۹

ذکاوت و لطائف ———— ۷۲

شہیدؒ کی جامعیتِ علم ———— ۷۵

شہیدؒ بحیثیتِ شاعر ———— ۸۰

شہیدؒ کی اولاد و احفاد ———— ۸۶

مزارِ مقدس ———— ۹۴

ثوابِ زیارتِ شہیدؒ ———— ۱۰۲

شہادت کے اثرات مابعد اور شیعیت کو فروغ ———— ۱۰۳

اجمالی جائزہ - ضمیمہ ۱ ———— ۱۰۶

مصنفاتِ شہیدؒ ضمیمہ ۲ ———— ۱۱۴

مآخذِ حالاتِ شہیدؒ - ضمیمہ ۳ ———— ۱۲۲

مکتوب شہیدؒ بنام سید حسن بخاری

ترجمہ سید مرتضیٰ حسین ———— ۱۲۶

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11,
M... Heights
Mirza Kaleej
Baig Road,
Soldier Bazar
Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

تذکرۂ مجید

۱۳۸۲ھ

تذکرۂ مجید در احوال شہید سے پہلے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ پر مشتمل اتنی جامع اور مستند کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔

مؤلف کتاب علامہ مولانا سید سبط الحسن صاحب قبلہ فاضل ہنسوی اعلیٰ اللہ مقامہ، سابق آنریری سکریٹری انجمن معین الزائرین مزار شہید ثالث آگرہ نے انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ سیکڑوں عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کی مستند کتابوں اور قدیم ماخذوں سے حالات شہید تلاش کر کے تذکرۂ مجید کی صورت میں مرتب فرما کر وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے جو صاحبانِ علم و تحقیق سے خراجِ تحسین حاصل کرتا رہے گا۔

تذکرۂ مجید کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء میں، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۱ء میں آگرہ اخبار پریس آگرہ سے شائع ہوا چونکہ ہر نیا ایڈیشن سابق کے ایڈیشن سے زیادہ پُر از معلومات تھا اس لئے بھی عقیدت مندان شہید میں بے حد مقبول ہوا۔ اور تیسرے ایڈیشن کے ختم ہوتے ہی چوتھے ایڈیشن کی مانگ بڑھنے لگی۔

مولانا مرحوم کی پیرانہ سالی کثرت افکار اور روز بروز گرتی ہوئی صحت اگرچہ اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ ان سے چوتھے ایڈیشن کے از سرِ نو ترتیب دینے کی فرمائش کی جائے مگر میں نے ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) کو دلیسہ شہید کی مجلس کے موقع پر جرأت کر کے فرمائش کر ہی

دی۔ یہ مولانا مرحوم کا خلوص، شہید سے عقیدت اور جذبۂ علم و تحقیق تھا کہ مولانا نے چوتھے ایڈیشن کی از سرِ نو تدوین کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں خود چاہتا تھا کہ تذکرہ مجید کا چوتھا ایڈیشن شہید کے شایانِ شان نکلے اور اس سلسلہ میں کچھ اور مواد فراہم بھی کر لیا ہے لیکن تنفّس کا عارضہ مہلت نہیں دیتا۔ بہرحال اگر توفیق الٰہی شاملِ حال رہی تو انشاءاللہ اس خدمت کو انجام دونگا۔"

نومبر ۷۷ء (۱۳۹۷ھ) کی مجالس کے دوران مولانا مرحوم پر تنفّس کا شدید دورہ پڑا۔ اور دورانِ مجالس ہی علی گڑھ واپس تشریف لے گئے۔ اور علی گڑھ پہنچ کر تقریباً صاحبِ فراش ہو گئے، لیکن جب بھی مرض کی شدت میں افاقہ ہوتا تو تذکرہ مجید کا کام شروع کر دیتے یہاں تک کہ انتقال سے چھ روز قبل ۲ اپریل ۷۸ء کو مسودہ پر آخری نظر ڈالنے کے بعد ۸ اپریل ۷۸ء کو جوارِ ائمہ معصومینؑ میں سدھار گئے۔

تذکرہ مجید کا یہ چوتھا ایڈیشن اس اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ مولانا مرحوم کی آخری تالیف ہے۔ اس کے علاوہ علم و تحقیق سے ذوق رکھنے والے حضرات دیکھیں گے کہ مرحوم نے لاتعداد کتب کے گہرے مطالعہ کے بعد تذکرہ مجید کو حالاتِ شہید پر فی الحال حرفِ آخر بنا دیا ہے۔

اُمید ہے کہ شہید ثالث سے عقیدت اور مولانا مرحوم کے علمی کارناموں سے محبت رکھنے والے حضرات اس ایڈیشن کو بھی ہاتھوں ہاتھ لے کر کارکنانِ مزار کی ہمت افزائی فرمائیں گے۔

فقط / والسلام

سیّد حافظ علی صابر

جوائنٹ سکریٹری انجمن معین الزائرین مزار شہید ثالث آگرہ

(۱)

خوش پریشاں شدہ ای با تو نگفتم نوری
آفتی ایں سر و سامانِ تو دارد در پی

(شہیدؒ)

(۲)

"ایں بیچارۂ مسکیں نیز مدتی ببلائے صبر گرفتار بودم و با اغیار تقیّہ و مدارا می نمودم و از بی صبری می ترسیدم و آخر از انچہ می ترسیدم باں رسیدم و از عین بی صبری ایں کتاب (مجالس المومنین) در سلکِ تقریر کشیدم اکنوں از جوشش بی اختیار بجناب پروردگار پناہ می بردم و ہمیں کتاب را شفیع خود می آدرم۔"

(شہید، مجلس ششم)

(۳)

"باعتقادِ فقیر درواز الملک ہند بدولتِ بادشاہِ عادل جائے تقیّہ نیست و اگر جائی تقیّہ باشد بر امثال فقیر واجب نیست زیرا کہ کشتہ شدنِ امثال فقیر در نصرتِ مذہبِ حق موجبِ عزّتِ دین است۔"

(شہید)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اوّل

آیت اللہ سید نور اللہ موسوی، عالمِ اسلام کے وہ بطلِ جلیل ہیں جن کے وجود سے تاریخ اسلام میں ایک تابناک باب کا اضافہ ہوا ہے، ظلمت آبادِ ہند میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ریاست وسیاست کی مسند پر ایسے عالم بہت کم جلوہ نشین ہوئے جن کے ذہن کی درّاکی اور قلم کی روانی، زبان کی شیرینی اور علم کی ہمہ گیری کا سب نے اقرار کیا ہو۔ شوستری اس وقت لاہور پہنچے، جب یہ شہرِ مینو چہر نئی روشنی میں آنکھیں کھول رہا تھا۔ اکبر نے اسے دارالسلطنت بنا رکھا تھا، سمرقند و بخارا، یزد و اصفہان تبریز ومشہد وقم، شیراز و نیشاپور۔ نجف و کربلا، مکہ و مدینہ کے افاضل و علما، اکابر و رؤسا، سپاہی اور شہزادے لاہور کا رُخ کر رہے تھے۔ توران سے افرادی اور ایران سے علمی وفنّی طاقت مہیا کی جا رہی تھی۔ برصغیر کی نئی تاریخ اور مسلمانوں کی نئی ثقافت جنم لے رہی تھی۔

نور اللہ شوستری، عرب نژاد، خوزستان کے باشندے، علومِ اسلامی کے ماہر، تفسیر و حدیث کے امام اور فقہ واصول میں مجتہد تھے، معقول ومنقول میں کمال اور اخلاق و کردار میں غیر معمولی کشش رکھتے تھے، ان کے وجود

سے لاہور میں خصوصاً اور مرکز سے روابط رکھنے والی تمام شخصیتوں اور علمی اداروں میں عموماً ایک خاص قوت ایک خاص برقی رو دوڑی۔ کچھ رشک ورقابت، کچھ حسد وسیاست، کچھ تعصب اور جہالت میں مبتلا افراد منفی سوچ اور نادرست ارادوں کے ہاتھوں، سید محترم کی اذیت رسانی کے درپے بھی ہوئے۔

سیّد نور اللہ، لاہور کے قاضی کیا ہوئے، مرکز کی دینی سربراہی ان کے نام لکھ دی گئی۔ اس سے شیعہ فرقے کو تقویت ملی۔ بیرم خان، عبدالرحیم خان، آصف خان، علی مردان خان، ذوالفقار الدولہ نجف خان، جیسے جرنیل تھے جو مغل شاہی کی فوجوں کے سربراہ تھے، ان میں سے ہر ایک نے تیموری خاندان کو قوت، فتح مندی، حکمرانی اور سیاسی استحکام بخشا۔ شیعوں کی برتری کے خلاف کردارکشی اور عقائد دشمنی کا محاذ قائم کیا گیا۔ ماوراءالنہر اور افغانستان کے مصنفین کی کتابیں اور اشتعال انگیز لٹریچر کی اشاعت شروع کر دی گئی، شیعوں کا جینا دوبھر ہوگیا۔ اکبری دور میں فتح اللہ شیرازی، ابوالفتح گیلانی، اعتماد الدولہ ملا احمد ٹھٹھوی وغیرہ سرکار دربار میں اعتبار رکھتے تھے، سیّد نور اللہ کی علمی اور دینی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے مذہب کا دفاع، کمزور شیعوں کی مدد اور قرآن و اہلبیت کی خدمت کرتے۔ مکۂ مکرمہ سے "الصواعق المحرقہ" اور سمرقند و کابل و بخارا سے "ابطال الباطل" نامی کتابیں لائی گئیں تھیں اور شیعوں سے جواب کا مطالبہ تھا، سیّد نے ان کتابوں کے جواب لکھ کر اپنی ذمہ داری پوری کی اور بڑے بھائیوں نے اس کے صلے میں کمزوروں کا حیلہ اور بے پڑھے لکھوں کا

طریقہ اختیار کر کے سیدِ حسینی، اولادِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ کو شہید کروا دیا۔

شہیدِ ثالث نور اللہ شوستریؒ کا حق تھا کہ انھیں علمی حلقے ان کی شخصیت و کردار کو خراجِ عقیدت پیش کریں، یہ کام جناب سبط الحسن صاحب مرحوم نے انجام دیا، اللہ ان پر رحمت کرے۔

حبیب محترم جناب سید خورشید اکبر صاحب زیدی (رین بسیرا، اسلام پورہ لاہور) زیارت مزار شہید ثالث کے لیے آگرے گئے، وہاں "تذکرۂ مجید" کا مطالعہ کیا، احترامِ شہید کے جذبۂ فراواں نے موصوف کو اس کتاب کی شاندار طباعت پر مجبور کیا، زیدی صاحب دام عزہ نے اس کار خیر میں اپنے عزیزوں اور بزرگوں کو شریک کیا اور اس کے اخراجات خدا کی خوشنودی اور والدین کی مغفرت کے لیے ادا کیے۔

جناب سید قاسم حسین صاحب زیدی اور محترمہ سیدہ رفیق فاطمہ صاحبہ کے لیے جناب سید محمد امیر عالم صاحب زیدی، سامانی، سہارنپوری، لاہوری اور آنسہ حور بانو صاحبہ زیدی، سامانی، سہارنپوری، لاہوری درخواست کرتے ہیں کہ ان کے محترم بزرگوں (جن کے نام اوپر درج ہیں) کے لیے سورۂ فاتحہ کا ثواب ہدیہ فرمائیں۔

اس کتاب کے لکھوانے اور بہتر سے بہتر چھپوانے میں جن دوستوں نے اپنا وقت عزیز صرف کیا اس کا شکریہ خصوصاً حبیب مکرم جناب حافظ علی صاحب صابر جنھوں نے کتاب چھاپنے کی اجازت دی۔ اللہ انھیں اجر و صحت عطا فرمائے۔

اگر احباب نے کتاب کی پذیرائی کی تو اسی رقم سے اور کتابیں بھی شائع کرنے کی نیّت ہے ۔

اللہ خورشید اکبر صاحب اور ان کی بہنوں کو خوش رکھے۔

عظیم شخصیتوں ، مجاہدوں اور شہیدوں کی تاریخ انسانی عظمتوں کو جنم دیتی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

واللھم صل علے محمد و اٰل محمد

ناچیز

سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضل

۱۵- مغل پورہ - لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

شیعیت کی تاریخ دراصل مظلومیت اور قربانی کی تاریخ کے مترادف ہے۔ صدرِ اوّلِ اسلام سے جس طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ اور اُن کے شیعوں کو مصائب و صدمات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ دُنیا میں کسی اور قوم کو اس سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ یہی وہ مظلوم گروہ ہے، جس کو اجتماعی و انفرادی حیثیت سے ہر قسم کی قربانی دینی پڑی ہے۔ کوئی ایسی مصیبت نہیں جس کو شیعوں نے اپنے مخالفین کے ہاتھوں برداشت نہ کیا ہو۔ محبت اہلبیتؑ میں اس اسلامی فرقہ نے ہر مصیبت کو برداشت کیا۔ شہادت کو اس قوم نے اپنے لئے سعادت کا سبب سمجھا اور ہر مصیبت میں صبر و ضبط اس کا شعار رہا۔ شہر بدر کر دیا جانا، قتل کر دیا جانا، سُولی پر چڑھا دیا جانا، زندہ درگور کر دیا جانا، دیواروں میں چُنوا دیا جانا، زبان اور دُوسرے اعضا کا کاٹ دیا جانا، دیوار کا ان پر گرا دیا جانا، چھوٹی سی تنگ و تاریک کوٹھری یا تہہ خانوں میں سمائی سے زیادہ نفوس کو محبوس کر دینے سے سب کے سب کا گھٹ گھٹ کر جان دے دینا، بلندیِ بام یا پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر دیا جانا، دریاؤں اور کنوؤں میں ڈبو دیا جانا، مال و املاک کا اُن سے چھین لیا جانا اور اس طرح فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے مار ڈالنا، معیشت کے دروازوں کا اُن پر بند کر دیا جانا، مرنے کے بعد ان کی لاشوں کو دفن نہ ہونے دینا، درندوں سے پھڑوا ڈالنا، قید و بند کی زندگی بسر کرنا، یہاں تک کہ پوری زندگی مقید رہنا، زہر سے ہلاک کیا جانا، اُن کی عورتوں کو تشہیر کر کے دیار بدیار پھرانا۔ غرض کہ جتنے بھی عنادین ظلم ہیں،

ہر صدی و دَور میں اس مظلوم فرقے کو برداشت کرنے پڑے، لیکن محبّتِ اہلبیتؑ میں اس قوم نے ہر تکلیف و صدمہ کو ہنسی خوشی برداشت کیا، خود شیعوں کے ائمہ معصومین علیہم السلام بھی تلوار یا زہر سے شہید کئے گئے۔ اسی طرح اُن کے علماء بھی مختلف صورتوں سے ہلاک کئے گئے۔ تاریخِ اسلام اور کتب مقاتل الطالبین اس خونچکاں داستان سے پُر ہیں، جس سے ہر صاحبِ بصیرت واقف ہے، شہداُ الفضیلۃ علاّمہ عبدالحسین الامینی النجفی و اعیان الشیعہ علاّمہ محسن الامین العاملی میں سیکڑوں علماء و فضلا کے تذکرے ملتے ہیں جو بجرمِ تشیع قتل کئے گئے۔ اس سلسلے میں تین متاخرین علماء شیعہ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ یعنی شہیدِ اول شیخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن مکی العاملی صاحب اللمعہ، جن کی شہادت ۷۸۶ھ میں واقع ہوئی۔ شہید ثانی شیخ زین الدین العاملی صاحبِ شرح اللمعہ جو ۹۶۶ھ میں شہید کئے گئے۔ شہیدِ ثالث قاضی سید نور اللہ شوستری جو ۱۰۱۹ھ میں ہندوستان میں شہید ہوئے۔ زیرِ نظر رسالہ میں شہیدِ ثالث کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ضمناً ہندوستان میں شیعیت کا تعارف اور اس کی تبلیغی کوششوں کا اختصار سے ذکر ہے۔ مقصد اس رسالہ کے لکھنے کا یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی یاد کو تازہ رکھیں۔ جنھوں نے حق کے لئے اپنے کو قربان گاہِ شہادت پر بھینٹ چڑھا دیا۔ اس رسالہ میں جملہ حالات و واقعات وہی ہیں جو مختلف مستند تاریخوں میں محفوظ ہیں اور جن کے لکھنے والے اکثر مخالفین میں ہیں، کوئی واقعہ بے سند نہیں ہے اور نہ شہرتِ عام کی بناء پر نقل کیا گیا ہے، جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے وہ اصل مآخذ کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ خدا کرے میری یہ کوشش بارگاہِ شہید سعید میں سندِ قبول حاصل کرے۔

سیّد سبط الحسن

۲، اپریل ۱۹۷۸ء

شجرۂ شہیدؒ

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ

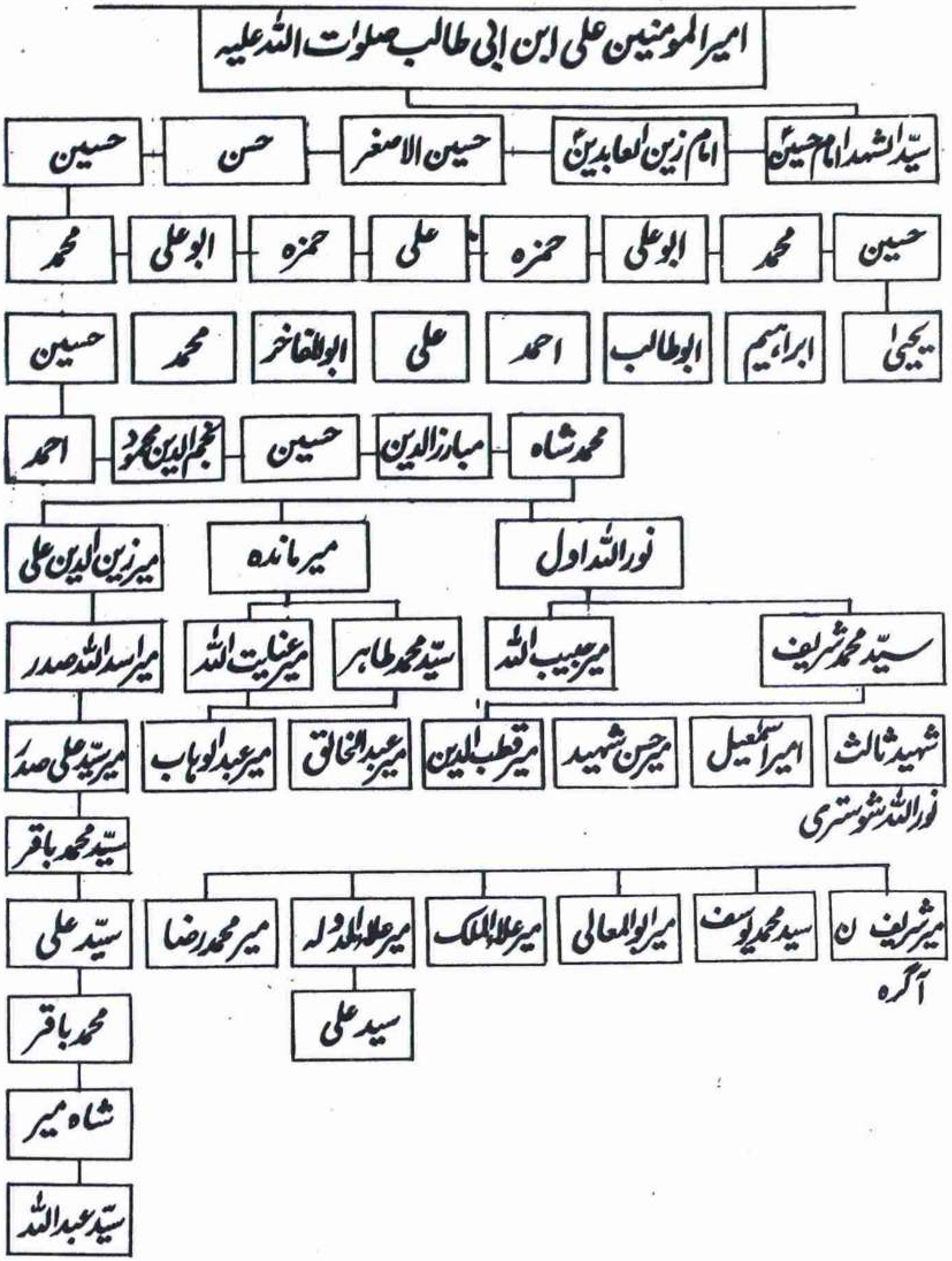

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمداً لمن خص ذوی الشہادۃ بالسعادۃ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وآلہ خیر سادۃ۔

شہید کا وطن شوستر اور اُن کا خاندان

شوستر، خوزستان، ایران کا ایک مشہور شہر ہے، جو اپنی آب و ہوا اور موسم بہار کی لطافت و خصوصیت کی وجہ سے ممتاز ہے۔ مشہور شاعر نظامی گنجوی نے اپنے خمسہ میں جا بجا بہارِ شوستر کا ذکر کیا ہے۔ "ہفت پیکر" میں ہے ؎

ہمہ عالم بہار شوستری
جائیگاہِ تدرو و کبکِ دری

"حُب الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر" کی بنا پر خود شہیدِ ثالث اپنے وطن شوستر کو "آں دیار فیض آثار مولدِ ایں خاکسار" کہہ کر کس لطف سے اس شہر کا تعارف کراتے ہیں۔ دار المومنین شوستر بلدۂ ایست دلکشا چوں نامِ خود در حُسن و خوبی تمام، و خطہ ایست جانفزا منتخب از ریاض دار السلام از ہفت اقلیم رُبع مسکوں چُوں فصل بہار بلطف مزاج و اعتدالِ طبع امتیاز دارد، ہوائے بہارش بر لطافت باد دہرمی صد جلوہ گری و ناز دارد۔"

اس کے بعد پھر یُوں رطب اللسّان ہوتے ہیں ؎

حبّذا شہرِ شوشتر کز وی ہر چہ جز اعتدال مہجور است

معتدل عالمے کہ ہمچو بہشت — زآفت بہمن و خزاں دُور است
دلکشا روضۂ کہ ہمچو سپہر — ساحتش بر مشاعلِ نور است
در نظر ساکنِ سواد بہشں را — ہر طرف صد بہشت و صد حور است
از فلک طالبِ مرادِ کشں را — ہر نفس صد ہزار منشور است

(مجالس المومنین)

شہید کے جدِّ اعلیٰ اور شیعیت کی اشاعت

اسی بہارستانِ ایران میں جناب شہیدؒ کے جدِّ اعلیٰ سیّد نجم الدّین محمود حسینی مرعشی آملی اپنے وطن آمل مازندران سے ہجرت کر کے شوستر تشریف لائے۔ اس وقت شوستر کے نقیب سادات امیر سیّد عضد الدولہ حسینی تھے۔ جو منصبِ نقابت کے ساتھ ہی ساتھ بہت بڑی املاک و ثروت بھی رکھتے تھے اور سوائے ایک صاحبزادی کے دوسری کوئی اولاد نہ تھی۔ امیر موصوف نے سیّد نجم الدین محمود کی آمد کو فالِ نیک سمجھا اور اپنی صاحبزادی کا عقد موصوف سے کر دیا۔ اب نجم الدین محمود کا قیام آمل مازندران کے بجائے شہر شوستر ہی میں ہو گیا، اور آپ یہاں کے نقیب السّادات و امیر الامراء ہو گئے۔

زمانۂ بنی امیّہ و بنی عباس سے اب تک اہل خوزستان و شوستر کی اکثریت کا مذہب سُنّی معتزلی تھا۔ امیر سیّد نجم الدین محمود مرعشی نے یہاں قیام فرمانے کے بعد مذہب شیعہ اثنا عشری کی تبلیغ شروع کر دی اور ایک بڑی تعداد کو شیعۂ اثنا عشری بنا لیا لیکن اس کے بعد بھی اہل خوزستان و شوستر کی اکثریت مخالف مذہب پر قائم رہی۔

سیّد نور اللہ اوّل اور تبلیغی خدمات

امیر سیّد نجم الدین محمود کی چوتھی پشت میں امیر سیّد نور اللہ اوّل پیدا ہوئے جو جناب شہید ثالثؒ کے دادا تھے، سیّد نور اللہ اوّل اپنے زمانے کے صفِ اوّل کے علمائے اعاظم

میں سے تھے اور آپ ہی نے سیّد نجم الدین کی تبلیغ شیعیت کو درجۂ اختتام تک پہنچایا، آپ کی تبلیغی مساعی سے تمام اہلِ خوزستان و شوستر سب کے سب شیعہ اثنا عشری ہو گئے۔ شیعیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تھا اور اپنے بھائی سیّد زین الدین علی کے ہمراہ اس قصد سے شیراز تک تشریف لائے، لیکن بعض نامساعد حالات کی بناء پر آپ ہندوستان نہ پہنچ سکے بلکہ شوستر واپس ہو گئے اور آخر عمر تک ترویج مذہب حق و تصفیۂ باطن کی طرف مشغول رہے۔ باوجود امارت و نقابت کے لذّاتِ دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد و ورع کی زندگی بسر کرتے رہے۔ عرفائے زمانہ آپ کے ہم صحبت رہتے تھے۔ خصوصیت سے عارفِ زمانہ سیّد محمد نور بخش و شمس الدین محمد لاہیجی شارحؒ گلشنِ رازؒ قابلِ ذکر ہیں، جن سے بہت ہی خصوصی تعلقات تھے۔ سلاطینِ مشعشع آپ سے بہت زیادہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ان سلاطین نے بہت خواہش کی کہ آپ عہدۂ جلیلۂ صدارت کو قبول فرمالیں لیکن اُمورِ دنیا سے اجتناب کی وجہ سے آپ نے نہیں قبول فرمایا۔ یہاں تک کہ جب سلطان علی مشعشعی نے اس کو قبول کرنے کے لیے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے بمصلحت کہ سلطان آزردہ نہ ہو۔ بجائے اپنے اپنی زوجہ کے بھائی قاضی عبداللہ بن خواجہ حسین شوستری کو جو آپ کے تلمیذ و فرزندِ معنوی تھے، صدارت کا منصبِ عالی دلوا دیا اور اس طرح سلطان وقت کو خاموش کر دیا۔
جب سلاطینِ مشعشع کا اقبال منزلِ ادبار میں آیا تو آپ کا سن نوّے سال سے متجاوز ہو ہو گیا تھا اور آپ کے قوائے ظاہری جواب دے چکے تھے۔ اس وقت سلطانِ دیں پناہ شاہ اسمٰعیل اوّل صفوی نے خوزستان کو فتح کر کے شہر شوستر میں نزولِ اجلال فرمایا۔ وہاں کے تمام اعیان و اکابر و علماء و امراء سلطان کے حضور حاضر ہوئے لیکن سیّد

نوراللہ اوّل ضعفِ پیری اور علالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ قاضی محمد کاشی نے ان کے خلاف شاہِ اسمٰعیل کے کان بھر دیے اور اپنی غلط بیانی سے یہ باور کرایا کہ شاہانِ ماسبق کے تعلقات کی بناء پر حاضر نہیں ہوئے ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیب است
گل است سعدی و در چشمِ دشمناں خار است

اسی دوران میں شاہ اسمٰعیل نے اہلِ شوستر کے مذہب کے متعلق معلوم کرنا چاہا کہ یہ لوگ کس مذہب کے پابند ہیں۔ تمام اہلِ شوستر بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ وہ شیعہ اثنا عشری ہیں۔ سب نے یہ کہا کہ ان کا مذہب وہی ہے جو سید نوراللہ مرعشی کا ہے۔ اب بادشاہ آپ کا مشتاقِ دید اور حالات کا جویا ہُوا۔ مقربین سلطان نے جو سیّد نوراللہ اول کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور آپ کی پیری و بیماری سے واقف تھے، بادشاہ کو اصل واقعہ سے آگاہ کیا۔ یہ سُن کر بادشاہِ عالی جاہ نے حکم دیا کہ سیّد نوراللہ کو بڑی عزّت و احترام سے شاہی سواری میں بٹھلا کر خدمت میں لائیں۔ بادشاہ آپ کی زیارت سے بہت مسرور ہُوا اور آپ کی خدماتِ تبلیغ مذہبِ اہلبیت سے متاثر ہو کر قدیمی جاگیر مع مزید اقطاعات و اراضیات کا پروانہ دے کر اعزاز و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ ابھی کچھ دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ قاضی محمد کاشی جس نے بادشاہ کو آپ کا مخالف بنانا چاہا تھا بمصداق نَحْنُ بَنُوْ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ مَا عَادَانَا بَيْتٌ اِلَّا وَقَدْ خَرِبَ، اپنی پاداشِ بد کو پہنچا اور غضبِ شاہی میں گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ سچ ہے ع

ہر کہ با آلِ نبیؐ درافتاد برافتاد

میر نور اللہ اوّل کے مُصنّفات

میر نور اللہ اوّل کے مصنّفات میں حسبِ ذیل کتابیں ہیں:

(۱) تفسیر آیۂ مبارکہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ۝

(۲) کتاب در علمِ طب۔

(۳) شرحِ زیجِ جدید۔

(۴) صد باب اسطرلاب۔

آخر الذکر کتاب کو بعضوں نے غلطی سے مُصنّفاتِ شہیدِ ثالثؒ میں شمار کیا ہے۔ غالباً یہ غلطی اتّحادِ اسم کی وجہ سے ہُوئی ہے۔ یہ تصنیف خود پوتے کی نہیں بلکہ دادا کی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ مُسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔

****

شہید کے دوسرے بزرگ خاندان اور انکی عظمت و خدمات علمیہ

شمس الدین

میر نوراللہ اول کے بھائی (جن کا ذکر ضمناً ہو چکا ہے) میر زین الدین علی بھی جلیل القدر عالم تھے۔ اُن کے فرزند شمس الدین میر اسداللہ اپنے عہد کے عالمِ متبحر تھے جو علومِ عقلیہ و نقلیہ میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ یہ بزرگ محقق ثانی شیخ علی عبدالعالی کرکی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ محقق ثانی نے آپ کو اجازۂ اجتہاد عطا کیا تھا اور شہنشاہ طہماسپ صفوی نے آپ کو صدارتِ عظمیٰ کا منصب تفویض کیا تھا۔ آپ کے مصنفات ہیں:۔

(۱) کشف الحیرۃ، جس میں آپ نے فوائد و حکمت غیبتِ حضرت صاحب العصر علیہ السلام سے بحث کی ہے۔

(۲) ترجمۂ فارسی، نفحات اللاہوت فی لعن الجبت والطاغوت۔

(۳) رسالہ در تحقیق آراضی انفال۔

(۴) رسالہ در بحث و تحقیق قول علامۂ حلّی جو کتاب قواعد میں ہے اذا زاد الشاھد فی شھادۃٍ او نقص قبل الحکم بین یدی الحاکم احتمل ردّ شھادتہ۔

(۵) رسالہ اس امر کی تحقیق میں کہ زینب و رقیہ صلب رسولؐ سے تھیں؟ یا نہیں۔

سیّد علی آپ کے صاحبزادے میر سیّد علی بھی عالمِ بے بدل تھے اور اپنے والد ماجد میر اسداللہ صدر کے بعد صدارتِ عظمیٰ کا عہدہ آپ کے سپرد ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو کر خدمتِ

تولیت مشہد مقدس رضوی کو اختیار فرمایا اور اسی تولیت ہی کے زمانے میں آپ نے مشہدِ مقدس میں انتقال فرمایا۔ آپ کے مُصنّفات میں علاوہ دیگر کتب کے کتاب "عمل السنۃ" مشہور ہے۔ آپ کے پوتے کا نام بھی میر سیّد علی تھا اور مشہد مقدس میں تحصیلِ علم فرما کر صفِ اوّل کے علماء میں شامل ہو گئے تھے اور شاہ عباس صفوی نے آپ کو عہدۂ صدارت عطا کیا تھا۔ میر اسد اللہ صدر کے دوسرے صاحب زادے

عبدالوہاب

میر عبدالوہاب بھی عالم تھے اور اپنے والد کے زمانے میں اپنی موروثی املاک کی توسیع و تعمیر میں بہت زیادہ کوشش فرمائی اور جدید املاک کا اضافہ کر دیا۔ اور مقاماتِ احشامِ عقیلی، و آراضی جلکان و شاہ ولی و چمچہ گران و لبانستان میں آبپاشی کے لیے متعدد نہریں جاری کر کے آراضی موات کو سرسبز و شاداب کیا۔ اور قلعے اور مسافر خانے تعمیر کرائے۔ قصبات و مواضعات آباد کیے۔ باغات لگوائے۔ یہ تمام آبادیاں اور اراضی و باغات سلاطینِ ایران کی طرف سے بطور سیورغال معاف تھیں۔ ایک مدّت تک آپ شاہ طہماسپ کی طرف سے دزفول کے حاکم بھی رہے۔ آپ ہی نے شوستر میں ایک عظیم الشان کتب خانے کی بھی تاسیس فرمائی تھی جس میں بارہ ہزار مجلّدات تھے۔ یہ کتب خانہ ایک وسیع و مستحکم عمارت میں تھا۔ تمامی کتابوں کی فہرست مرتّب فرمائی تھی جس میں کتابوں اور اُن کے مصنّفین کے ذکر کے ساتھ خط و کاغذ و رنگ جلد و تاریخ کتابت کی بھی وضاحت کی گئی تھی۔ کتب خانے کے بقا و تحفّظ کے لیے ایک بڑی املاک کو وقف کر دیا تھا جس سے کتب خانہ کے جملہ اخراجات و مرمّتِ عمارت اور وظیفۂ متولّی پورے کیے جاتے تھے۔

میر عبدالوہاب شاعری کا بھی ذوق رکھتے اور صدقی آپ کا تخلّص تھا جیسا کہ آپ

کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎

گفت آں کیست کہ در عشق کند جاں قرباں
صدقیِ دل شدہ برخاست کہ ایں کارِ من است

شہید کے والد ماجد اور اُن کا تبحّرِ علمی

میر نور اللہ اوّل کے دو فرزند تھے۔ میر محمد شریف و میر حبیب اللہ، میر شریف جناب شہید ثالثؒ کے پدر بزرگوار تھے۔ آپ کا شمار اکابر علما میں تھا۔ آپ حاوی قوانین عقلیہ و جامع اسالیبِ فنونِ نقلیہ تھے۔ آپ کے فضل و کمال کی شہرت چار دانگِ عالم میں تھی۔ آپ نے علومِ شرعیّہ کی تکمیل شیخ اجل ابراہیم بن سلیمان قطیفی سے فرمائی تھی شیخ قطیفیؒ نے جو اجازہ آپ کو مرحمت فرمایا تھا اس میں تحریر تھا کہ "میں نے اُنھیں جتنا فائدہ پہنچایا اس سے زیادہ مجھے ان سے فائدۂ علمیّہ ہُوا۔"

آپ بھی صاحبِ تصنیف و تالیف۔ منجملہ اُن کے یہ ہیں:-

(۱) رسالۂ اثباتِ واجب۔
(۲) رسالۂ حفظ الصحّت در طبّ
(۳) شرح خطبۂ شقشقیہ۔
(۴) رسالہ در فنِّ مناظرہ۔
(۵) رسالۂ مناظرۂ گل و نرگس۔
(۶) رسالہ منشآت میں۔

آپ قادر الکلام خوش گو شاعر بھی تھے۔ ذیل میں تین رُباعیاں درج کی جاتی ہیں

جو نہ صرف آپ کے کمالِ شاعری بلکہ کمالِ باطن وتصرفاتِ رُوحانی پر دال ہیں پہلی دوُ ۲ رُباعیاں غیبتِ امام وتصوّرِ محبّت سے متعلق ہیں، ملاحظہ ہو:۔

(۱)

شب بے تو زدیدہ سیلِ خوں می گزرد
روزم ہمہ در مشقِ جنوں مے گزرد
دو راز شبم چناں بود روز چنیں
اوقاتِ شریف بیں کہ چوں مے گزرد

(۲)

ناگفتہ بہم سخن زبانِ من و اُو
دارد خبر از ہم دل وجانِ من و اُو
بے واسطۂ گوش و زباں از رہِ چشم
بسیار سخنہاست میانِ من و اُو

(۳)

تیسری رُباعی اگرچہ حضرت سیّد الشہداؑ سے تعلق رکھتی ہے لیکن آپ کے فرزند شہید ثالثؒ کے حسبِ حال ہے اور یہی وہ امر ہے جس کے متعلق حدیث میں ہے "اَلْمُؤْمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ" مومن اللہ کے نُور سے حال و مستقبل سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔" اور یہی وہ فراستِ مومن ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے: "اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ۔"

رباعی ملاحظہ ہو:۔

گرخونِ تو ریخت خصمِ بدگوہرتو | شُد خونِ تو سُرخی روی محشرِ تو
سوز و دل از آنکہ کُشتہ گشتی و چو شمع | جُز دشمنِ تو کس نہ بود بر سرِ تو

شہید کے برادرانِ حقیقی اور ان کی منزلت

میر سیّد شریف کے چار فرزند تھے : (۱) میر سید نور اللہ دوم شہید ثالثؒ۔ (۲) میر اسمٰعیل (۳) میر قطب الدّین (۴) میر محسن شہید۔

جنابِ شہیدِ ثالثؒ کے فضل و کمال، شرف و جمال سے تمام دُنیا واقف ہے اور آپ کے تصرّفاتِ رُوحانی و فیوضِ علمی سے ایک عالم مستفیض ہو رہا ہے لیکن آپ کے دوسرے بھائی بھی مجموعۂ علوم دینی و سفینۂ معارف یقینی تھے۔ میر سیّد اسمٰعیل نے علوم عقلیہ و فنونِ نقلیہ میں اپنے والد بزرگوار سے استفادہ کیا تھا اور زیادہ تر مجاہدات و عبادات میں اپنے اوقات کو صرف فرماتے تھے۔ میر قطب الدین بھی جامع فضل و کمال تھے، میر سیّد محسن حلیۂ فیض فضلِ سرمدی و زیورِ خُلقِ محمدیؐ سے آراستہ تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے اکتساب کمال کرنے کے بعد عالم جلیل و محقّق نحریر مولانا عبدالواحد اعلم مجتہد مشہدِ مقدّس سے تکمیل فرمائی۔ آپ کو بھی اپنے بھائی شہید ثالثؒ کی طرح شہادت کا درجہ حاصل ہُوا ہنگامِ حملہ ازبکیاں میں آپ مشہدِ مقدّس میں مخالفین کے دستِ ظلم سے شہید کیے گئے۔ رَحِمَهُ اللهُ۔

آپ کے مُصنّفات سے ایک کتاب جو علومِ عقلیہ و فنونِ نقلیہ کے سات مباحث پر مشتمل ہے۔ اب تک موجود ہے اور بقیہ مُصنّفات کو ظالم ازبکیوں نے تباہ و برباد کر دیا۔

شہید کی ولادت اور تعلیم و تربیت

یہ ہے جناب شہیدِ ثالثؒ کا علمی و رُوحانی خانوادہ جس کو دینی منزلت اور روحانی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ دنیاوی دولت و عزّت و منصب و ریاست سبھی کچھ حاصل تھا۔ اسی بیتِ شرف و بُرجِ سعادت میں ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں جناب شہید ثالثؒ کی ولادتِ باسعادت ہُوئی۔ "مردِ فاضل" و "فضل الٰہی" سے سال ولادت ۹۵۶ھ ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کا بچپن عام بچّوں کی طرح نہ تھا جو اپنے وقتِ عزیز کو کھیل کود اور لہو و لعب میں برباد کرتے ہیں بلکہ ابتداءِ شعور ہی سے آپ تحصیلِ علم و کسب کمال کی طرف متوجہ رہے۔ صغر سنی میں آپ نے شوستر کے مشہور اساتذہ و علماء مثل میر صفی الدّین محمد و میر جلال الدّین محمد صدر منتہی کتابوں کو پڑھا۔ خود آپ کے پدر بزرگوار جناب سیّد شریف کا سا عالمِ متبحر اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف ہمہ تن مصروف رہتا تھا جس کی وجہ سے ابتدائے شباب ہی میں فارغ التحصیل ہو کر جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ ابھی آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس سال کی تھی کہ ماہ ربیع الآخر ۹۷۹ھ یا ۹۸۰ھ) میں آپ اپنے وطن شوستر سے مشہدِ مقدّس کے لیے روانہ ہُوئے اور اُسی سال غرّہ ماہ رمضان میں واردِ مشہد رضوی ہوئے۔ یہاں آپ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے کے ساتھ ہی ساتھ بفحوائے "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا"

اعلم وقت محقق نحریر مولانا عبدالواحد کے حوزۂ علمیہ میں شریک ہوئے جن سے آپ کو بہت زیادہ فیضان پہنچا۔ غرض کہ مشہدِ مقدس میں بارہ سال تک عبادات و مجاہدات میں مشغول رہتے ہوئے کمالاتِ رُوحانیہ و معارفِ ربانیہ میں برابر اضافہ کرتے رہے۔

شہید کا تبلیغ مذہب کے لیے ہندوستان کا سفر کرنا

جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ مثل اپنے اسلافِ کرام کے مذہب اہلبیت کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ہمہ تن بے چین رہتے تھے۔ یہ امر بھی آپ کی ہمتِ بلند کو تقویت پہنچا رہا تھا کہ جدِ امجد سید نوراللہ اول شیعیت کی تبلیغ کے لیے ہندوستان آنا چاہتے تھے لیکن حالات نے نہ آنے دیا۔ شیراز تک آنے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے اس لیے بمصداق اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند۔ خلف الصدق ہمنام پوتے نے عزم راسخ کے ساتھ اپنے دادا کے اس نیک مقصد کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ غرّہ ماہِ شوال ۹۹۲ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔ بجائے اس کے کہ اپنے وطنِ مالوف مراجعت فرماتے اور وہاں مرجعیتِ تامّہ حاصل کر کے آرام وسکون کی زندگی بسر کرتے۔ آپ نے صرف تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے سفرِ غربت اختیار فرمایا اور ہندوستان روانہ ہو گئے۔ آپ کو اپنے وطن میں دولت و ثروت، حشمت و منصب، امارت و حکومت سب کچھ حاصل تھا، بلکہ صفوی حکومتیں اور زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کر سکتے تھے لیکن آپ کا مقصد اعلائے کلمۂ حق تھا۔ اس لیے شیعیت کی تبلیغ کے لیے آپ نے ہندوستان کو منتخب کیا۔ ہندوستان پہنچ کر آپ نے مملکتِ دکن کی طرف رُخ نہیں کیا جہاں شیعہ سلاطین تھے بلکہ آپ سلاطین مغلیہ کے دارالحکومت کی طرف رُخ کرتے ہیں جہاں مذہبِ شیعہ کو ابھرنے

کاموقع نہیں دیا جارہا تھا۔

تاریخ تبلیغ مذہب شیعہ میں شہیدؒ کا بلند مقام

ہندوستان کی تاریخ میں تبلیغ مذہب حق و دعوتِ شیعیت کے سلسلہ میں جو بلند مقام اس سیدِ فاطمی، عالمِ ربّانی، مجاہدِ لاثانی، صاحبِ حیاتِ جاودانی جناب شہید ثالثؒ کا ہے وہ کسی دُوسرے کو حاصل نہیں ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دراصل شہید رضوان اللہ علیہ کا یہ خصوصی شرف ہے جو اُن کو تمام ایسے علماء میں ممتاز بنا دیتا ہے جنھوں نے ہندوستان میں تبلیغ و حمایتِ مذہبِ حق کا کام کیا ہے۔ اس محل پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شیعیت کا جو پس منظر ہے اُس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

ہندوستان اور مذہبِ شیعہ

ہندوستان میں تبلیغِ مذہبِ شیعہ اور اس کے روابط کی ایک طویل داستان ہے۔ مختصر یہ کہ سرزمینِ ہند سے شیعیت کا تعارف عہدِ خلافتِ امیرالمومنین ہی میں ہوچکا تھا کیونکہ اوائلِ ۳۹ھ میں سندھ زیرِاقتدار امارت حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب صلوات علیہ آچکا تھا (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۸ طبع مصر) اس زمانے میں اطراف و ثغورِ ہند میں شیعیت کا رواج ہو رہا تھا۔ "ششنسب کی نسل" جو دوستدارانِ علیؑ و موالیانِ اہلبیت سے تھی۔ وہ ہندوستان کے قریبی سرحدی مقامات پر قابض و متصرف تھے۔ اس خاندان کا پہلا شخص "ششنسب" تھا، جس نے قدیمی ہندی آریائی مذہب (بدھ مت) کو ترک کر کے دستِ حق پرست امیرالمومنین علیہ السّلام پر اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت نے اس کو اپنی جانب سے ان اطراف کا حاکم بنایا تھا۔ عالمِ اسلام میں جب تمام منابر و مساجد میں امیرالمومنین علیہ السّلام کو نامناسب الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا اُس وقت صرف یہی حق پرست آریائی حکومت ایسی تھی جس نے اموی حکومت کو چیلنج کرتے ہوئے اس بدعت پر عمل نہیں کیا تھا (طبقاتِ ناصری، ابوعمر منہاج جرجانی طبقہ سابع عشر ص ۳۹ طبع بنگال و تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ اول ص ۲۷ مطبع نولکشور) صرف یہی نہیں بلکہ دورِ خلافتِ امیرالمومنینؑ میں ایسے

ہندوستانی جاٹوں (جن کو عرب مؤرخین "زط" کے نام سے یاد کرتے ہیں) کی بھی ایک نوآبادی عراق میں پائی جاتی تھی۔ جو امیر المومنینؑ کے شیدائی تھے۔ جس وقت امیر المومنینؑ نے بصرہ کو فتح فرمایا تو انھیں جاٹوں کے ایک دستہ کو بصرہ کے خزانہ کا محافظ قرار دیا تھا۔ یہ لوگ موالیانِ علیؑ سے تھے (مقدمۂ آئینۂ حق نما، اکبر شاہ خاں، جلد اوّل ص ۵۵) یہاں تک کہ اُن جاٹوں میں سے کچھ لوگوں نے (سَبْعُوْنَ رَجُلًا مِنَ الزُّطِّ) جوشِ محبت میں اپنے کو حدِّ غلو تک پہنچا دیا جس سے حضرت نے بیزاری کا اظہار فرمایا (رجال کشی ص ۷۰ طبع بمبئی)، یہ روایت بھی کتبِ مقاتل میں موجود ملتی ہے کہ سیّد الشہداء امام حسین علیہ السّلام نے کربلا کے میدان میں اشقیاء سے یہ خواہش فرمائی تھی کہ آپ کو سرزمین عرب سے ہجرت کر کے حدودِ ہندوستان میں چلا جانے دیا جائے جس کو ان ظالموں نے نہیں قبول کیا (المنتخب فی جمع المراثی والخطب، علّامہ شیخ فخر الدین طریحی) یہ امر اس بات پر دال ہے کہ آلِ محمدؐ ہندوستان کو اپنے لیے جائے امن و امان سمجھتے تھے۔ ان اُمور کے علاوہ خاندانِ رسالت کو ہندوستان سے ایک سببی رشتہ بھی ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ امام زین العابدین علیہ السّلام کی ازواج میں ایک سندھی خاتون بھی تھیں جن سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے (کتاب المعارف، ابن قتیبہ ص ۷۳ طبع مصر۔ و زید الشہید، عبد الرزاق نجفی، ص ۵ طبع نجف) زید شہید کے ہمراہ قتل ہو کر جو مصلوب ہوئے۔ ان میں ایک ہندوستانی مجاہد زیاد ہندی بھی تھے۔ (مقاتل الطالبین، ابو الفرج اموی، ص ۱۰۵ طبع نجف) اسی عہد میں حضرت عبد اللہ الاشتر بن عبد اللہ بن الحسن المثنّیٰ بن امام حسن علیہ السّلام اپنے پدر بزرگوار جناب محمد نفس الزکیہ کی شہادت (۱۴۵ھ) کے بعد عیسیٰ بن عبد اللہ بن مسعد شیعی کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے۔ سرزمین ہند پر دریائے سندھ کے کنارے خلیفہ عباسی

منصور دوانیقی کے حکم سے اولادِ رسولؐ کا سب سے پہلا خون جو بظلم و ستم بہایا گیا وہ عبداللہ اشتر ہی کا ہے جن کی مقدّس لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا۔ انھیں عبداللہ کے کمسن فرزند محمد جن کی ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی تھی۔ اپنے مظلوم باپ کی شہادت کے بعد ایک محبِ اہلبیت ہندو راجہ کی حمایت و حفاظت میں آگئے۔ یہ ہندو راجہ سادات کی بڑی عزّت و توقیر کرتا تھا۔ جب اس محبّ خاندانِ رسالت ہندو راجہ نے یتیم سیّد کو اپنی سرپرستی و حفاظت میں لے لیا تو اس پاداش میں خلیفہ منصور عباسی نے والئی سندھ ہشام بن عمر تغلبی کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ مامور کیا کہ محافظِ سادات ہندو راجہ سے یتیم سیّد کا مطالبہ کرے کہ وہ اُن کو سادات کے دشمنوں کے سپرد کر دے اور اگر راجہ اس پر راضی نہ ہو تو اس کی راجدھانی پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا جائے۔ راجہ کسی طرح بھی سیّد کو دشمنوں کے ہاتھ میں دینے پر آمادہ نہ ہُوا بلکہ اولادِ رسولؐ کی حفاظت میں وہ خود قتل ہو گیا اور اس کی ریاست کو عباسی حکومت میں شامل کر لیا گیا (تاریخ الطبری ص ۲۲۸، طبع مصر، تاریخ الکامل، ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۲۰ طبع مصر)

منصور دوانیقی ہی کے عہد میں جب سادات کا قتل عام ہو رہا تھا جناب قاسم بن ابراہیم بن اسمٰعیل الدیباج بن ابراہیم الغمر بن الحسن المثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام بھی اپنی جان بچا کر ملتان کے قریب مقام "خان" تک تشریف لائے (النزاع و التخاصم، علامہ مقریزی، ص ۴۲، طبع مصر)

اسی عہد میں جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امیر المومنین علی علیہ السلام بھی بخوفِ جان ملتان تشریف لائے جن کے ہمراہ ان کی تیرہ اولادیں بھی تھیں۔ سیّد آوارہ وطن ہو کر بے کسی کے عالم میں ملتان پہنچے۔ لیکن یہاں شاہی نے ان کے قدم چومے

اور ملتان کی بادشاہی ملی۔ انھیں جعفر الملک اور اُن کی اولاد نے اپنے کردارِ نیک اور عمل صالح سے بہتوں کو شیعہ بنایا۔ سادات نے دیسی زبان کو نوازا اور اپنی روزمرہ کی بول چال میں داخل کر لیا۔ اُن کے میل جول، یک جہتی اور لسانی تعلّقات سے ریختہ اور اردو زبان کی بنیاد پڑی (عمدۃ الطالب جمال الدین ابن مہنّا داؤدی ص ۳۳۳، طبع بمبئی)۔

ہندوستان سادات اور شیعوں کا صرف جائے پناہ ہی نہ تھا بلکہ ہندی نژاد مذہب شیعہ قبول کر کے ائمۂ معصومین علیہ السّلام کے حلقۂ درس میں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے حلقۂ درس میں جہاں اور ملک و قوم کے تشنہ کامانِ علوم و طالبانِ دانش تھے۔ اُن میں چند ہندوستانی بھی موجود ملتے ہیں۔ فرجِ سندھی، خلّادِ سندھی، ابان سندھی وغیرہم۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار رُوات و اصحاب امام جعفر صادق علیہ السّلام میں ہے۔ ایک طبیب ہندی ویدانت اور فلسفہ کا بڑا ماہر تھا اور منصور کے دربار میں ہندوستان سے طلب کیا گیا تھا۔ وہ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے طبیعیاتی مسائل پر بحث و تمحیص کے بعد داخلِ اسلام ہو گیا تھا (حدیث اہلیلجہ و حدیث مفضّل بحار الانوار) بڑھتے بڑھتے شیعی حلقۂ اثر اتنا وسیع ہو گیا کہ مورّخ المقدسی کے بیان کی بنا پر ہندوستان میں مذہب شیعہ کا رسُوخ تقریباً تیسری صدی کے اختتام اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں بہت زیادہ نمایاں ہو گیا۔ (احسن التّقاسیم فی معرفۃ الاقالیم المقدسی ص ۴۸۱ طبع یورپ) بالآخر شیعی دعوت و تبلیغ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو مٹانے کے لیے سلطان محمود غزنوی متوفی ۴۲۳ھ کو سندھ و ملتان پر فوج کشی کرنی پڑی اور محبّانِ اہلبیتؑ کو ملحد و قرمطی کہہ کر اُن کا خون بہایا گیا۔

چھٹی صدی ہجری میں مُلّا محمد علیؒ نے جن کا مزار کھمبات میں پیرِ پرواز کے نام سے

مشہور ہے۔ گجرات کے ہندو تاجروں میں شیعیت کو پھیلایا۔ یہی جماعت بوہرہ کہلائی۔ ملّا محمد علیؒ نے مذہبِ اثنا عشری کی تبلیغ کی۔ مرآتِ احمدی جو گجرات کی تاریخ ہے، اس میں یہ تصریح ہے کہ "چوں مولانا محمد علی شیعی مذہب بود تمامی برہماں مذہب اقامت داشتند و اکثر بصلاح، تقویٰ مذہب شیعہ اثنا عشری داشتند" (مرآت احمدی، ص ۱۳۰ طبع کلکتہ) ابتدا میں بوا ہیر اثنا عشری و اسمٰعیلی ہوتے تھے مخالف کوئی نہ تھا لیکن مظفر شاہ سلطان گجرات کے عہد سے سُنّی المذہب ہونے لگے۔ صرف ہندو تاجروں ہی نے شیعہ مذہب نہیں اختیار کیا بلکہ ایک راجپوت راجہ سندھ راؤ جے سنگھ جو گجرات کا راجہ تھا وہ بھی شیعہ ہو گیا تھا۔ شیعی اثرات ورسوخ کو ختم کرنے کے لیے مخالف شیعہ حکومتوں نے بڑی کوششیں کیں۔ سُلطان محمود غزنوی کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق متوفی ۷۹۰ھ نے شیعوں کا قتل عام کرایا اور شیعی کتابوں کو جلا کر خاکستر کیا جس کو اُس نے اپنے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ بتلایا ہے (فتوحات فیروز شاہی) ان مظالم کے بعد شیعی تحریک مضمحل ہو گئی اور شیعیت کو ستر و اخفا اختیار کرنا پڑا۔ اس مخالفِ شیعیت دَور میں ہندوستانی علمائے اہلسنّت کے تعصب کی یہ انتہا تھی کہ وہ حضرت علیؑ کے نام کو بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور جسے بھی وہ اس نام پر موسوم پاتے تھے اس کو بدعتی و رافضی سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب ہمایوں دوسری بار تسخیر ہندوستان کے لیے ایران سے ہندوستان آرہا تھا تو شیخ حمید مفسّر سنبھلی جن کا ہمایوں بہت زیادہ معتقد تھا۔ ہمایوں کے استقبال کے لیے موکب ہمایونی میں گئے تو موصوف نے ہمایوں سے شکایت کی کہ آپ کے لشکر میں سب کو میں رافضی پاتا ہوں۔ ہمایوں نے پوچھا آپ کس بنا پر یہ ارشاد فرما رہے ہیں؟

شیخ نے جواب دیا کہ آپ کے لشکریوں میں ہر ایک کا نام علیؑ ہی کے نام پر ہے۔ اس پر ہمایوں کو شیخ کے سامنے اپنے حسنِ عقیدت (سُنّیت کا اظہار اور شیعیت سے بیزاری) کو ظاہر کرنا پڑا۔ (منتخب التواریخ ملّا عبدالقادر بدایونی جلد اول ص ۸۶۸)

یہ واقعہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اُس عہد کا اسلامی ہندوستان حضرت علیؑ کے نام کو بھی سننا نہیں چاہتا تھا اور سلاطین کس حد تک اُن کے اس جذبۂ عناد کا احترام کرنے پر مجبور تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ شیعوں کو کسی حیثیت سے بھی قابلِ احترام نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اُن کو ذلیل کرنا توقیرِ دین کے مترادف تھا۔ چنانچہ سیّد راجو ابن سیّد حامد بخاری جو بافضیلت و صاحبِ کرامت سیّد تھے جب وہ شہنشاہ ہمایوں سے ملنے کے لیے روانہ ہُوئے تو ہمایوں نے ان کی بزرگی کے خیال سے ان کا استقبال کرنا چاہا، لیکن مخدوم الملک مُلّا عبداللہ نے بادشاہ کو ورغلایا کہ یہ سیّد بدعتی و رافضی ہے۔ اس کا استقبال دین کی توہین ہے جس کی بنا پر ہمایوں جرأت نہ کرسکا اور اُن کے استقبال[1]

---

[1] اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے جو سیّد راجو کی کرامت و بزرگی پر دال ہے کہ جب یہ واقعہ گزرا اسی کے کچھ دنوں بعد حاکم لاہور میر حاجی سیستانی نے مخدوم الملک کو قید کر دیا۔ اس پر انہوں نے شیخ عزیز اللہ عباسی ملتانی کو یہ لکھا کہ ان کی رہائی کے لیے دُعا کریں۔ شیخ موصوف جب مصروفِ دعا ہوئے تو خواب میں حضرتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے گھٹنوں پر سیّد راجو بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ نے عرض کیا کہ مُلّا عبداللہ حضورؐ کا مداح ہے۔ اس کی رہائی کی طرف حضور توجہ فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے سیّد راجو کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ میرا فرزند مُلّا کے ہاتھوں خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ شیخ نے یہ واقعہ لکھ کر مُلّا کو مطلع کیا جس پر انہوں نے توبہ استغفار کر کے سیّد راجو کو راضی کرنے کی کوشش کی"۔ (تحفۃ الکرام ص ۳۷۷) لیکن بعد کے واقعات مخدوم الملک کے توبہ و استغفار کی حقیقت ظاہر کر دیتے ہیں۔ (سبط الحسن)

سے خود باز رہا (تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹھوی متوفی ۱۲۰۳ھ ص ۳۷۶ سال تالیف ۱۱۸۱ھ) یہ حالت اکبر اعظم کے ابتدائی عہد تک بڑے شدومد کے ساتھ رہی شروع میں شہنشاہ کی مذہبی عصبیت کا یہ رنگ رہا کہ وہ شیعوں کو قتل کرنا اپنا فریضہ مذہبی سمجھتا تھا۔ اس کی سلطنت میں ملحد کو تو امان تھی لیکن کوئی شیعہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ جیسا کہ شاہ شجاع بن شاہجہان کا درباری مؤرخ محمد صادق زبیری ارزانی اپنی تاریخ "صبح صادق" میں بضمنِ ذکر قاسم کاہی لکھتا ہے کہ (ترجمہ از فارسی) "جب شہنشاہ اکبر نے شیخ الاسلام مخدوم الملک کے کہنے سے میرزا مقیم شیعی اور شیعوں کے ایک گروہ کو قتل کیا تو مشہور شاعر غزالی مشہدی بہت خوفزدہ ہوا کہ بجرم تشیع کہیں وہ بھی نہ قتل کر دیا جائے اس لیے گھبرا کر وہ قاسم کاہی کے پاس مشورہ کرنے آیا کہ وہ اپنی جان کیوں کر بچائے۔ قاسم کاہی نے مشورہ دیا کہ مثل میرے تم بھی الحاد کا اظہار کرو تاکہ قتل ہونے سے محفوظ رہو۔" صبح صادق، مطلع دوم ورق ۴۰۷ مخطوطہ مسلم یونیورسٹی) عہد اکبری کے شیخ عبد النبی صدر الصدور اور مخدوم الملک ملا عبد اللہ شیخ الاسلام نے شیعوں کو اہلِ بدعت کہہ کر بہتیروں کو قتل کرا دیا تھا۔ مؤرخ محمد صادق زبیری نے شیخ الاسلام کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ:

"مخدوم الملک بہت ہی متعصب تھا۔ اُس نے اپنے مذہب کے مخالف عقیدہ رکھنے والوں کو ستانے میں بڑی کوششیں کیں اور بکثرت ایرانیوں کو شیعہ و رافضی کہہ کر حکم شاہی سے قتل کرایا۔"

(صبحِ صادق، مطلع دوم، ورق ۴۵۹)

خود عہدِ اکبری کا متعصب سُنّی مؤرّخ (جو شیعوں کو اپنی تاریخ میں بڑے درشت اور بد الفاظ سے یاد کرتا ہے) مُلا عبد القادر بدایونی لکھتا ہے۔ "مُلا عبد اللہ سلطان پوری نے جن کو

شہنشاہِ اکبر کی طرف سے مخدوم الملک کا خطاب اور شیخ الاسلامی کا عہدہ ملا تھا۔ شریعت (اہلسنت) کی ترویج میں بڑی کوشش کی۔ وہ بڑے متعصّب سُنّی تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی کوشش سے بہت زیادہ رافضی و شیعہ و بد مذہب اپنے ٹھکانے (جہنّم) میں پہنچے۔" (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۷۱ مطبوعہ) شیخ عبد النّبی صدر الصّدور و مخدوم الملک مُلّا عبد اللہ کی کوششیں یہ تھیں کہ شیعہ اقتصادی کشمکش میں مبتلا رہیں اور فقر و فاقہ اُن کو تباہ و ہلاک کر دے۔ شیخ فرید ولد شیخ معروف صدر سرکار بھکر جس نے اکبر کے زمانہ کو درک کیا ہے اور جہانگیر و شاہجہان کے دور میں مختلف مناصب پر فائز رہا ہے بیان کرتا ہے کہ شیخ مبارک جو ابتدا میں بہت زیادہ تنگی معیشت میں مبتلا تھے، فقر و فاقہ سے پریشان ہو کر اپنے پانچوں لڑکوں کو لے کر شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک کے پاس گئے اور اپنی پریشاں حالی و تنگ دستی کا دُکھڑا بیان کر کے اس امر کی التجا کی کہ سو بیگہ زمین اگر بطورِ مددِ معاش مل جائے تو آسودہ حال ہو کر افادۂ علومِ دینی میں مشغول ہو جائیں۔ چونکہ شیخ مبارک اور اُن کے لڑکوں کے متعلق یہ شہرت تھی کہ یہ مذہب امامیہ رکھتے ہیں اس لیے صدر الصّدور اور مخدوم الملک نے ان سب مبتلائے افلاس کو بڑی ذلّت و رسوائی کے ساتھ اپنی مجلس سے یہ کہہ کر نکلوا دیا کہ "اگر ترا تقویت در معیشت می شود رواجِ مذہبِ امامیہ را خواہی داد"۔ اگر تم اپنی معاش کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو مذہب امامیہ کو رواج دو گے اس لیے فقر و فاقہ سے تمہارا تباہ ہونا ہی بہتر ہے۔ (تذکرۃ الخوانین[1] خطی ورق ۱۲ الف مکتوبہ ۱۲۵۹ھ سالِ تالیف تقریباً ۱۰۶۰ھ مسلم یونیورسٹی لائبریری) یہ حاکمانِ شریعت کسی کو سزا دینے کے لیے تہمتِ رفض کو کافی

ا؎ نیز کتاب مذکور طبع کراچی، پاکستان ۱۹۶۱ء جلد اول ص ۶۸۔

سمجھتے تھے۔ چنانچہ میرزا مقیم اصفہانی و میر یعقوب کشمیری صرف اسی بنا پر عذابِ سیاست میں مبتلا کیے گئے۔ (منتخب التواریخ بدایونی جلد دوم ص ۲۴۴) اور میر جبش کو تہمتِ رفض میں گرفتار کر کے قتل کیا گیا (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۵۵) یہاں تک کہ اس عہد میں شیعہ مسلمانوں کے قبرستانوں میں نہیں دفن کیے جاسکتے تھے۔ علامہ عصر میر مرتضیٰ شیرازی جب امیر خسرو کے قبرستان میں دفن کیے گئے تو شیخ الاسلام کے فتوے سے حکم ہُوا کہ غریب سیّد کی قبر کھود کر اس کی لاش کو نکال دیا جائے۔ (منتخب التواریخ مُلّا عبدالقادر بدایونی جلد دوم ص ۹۹) مُلّا بدایونی نے اس محل پر بڑی متانت سے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ "ہیچ شکے نیست، رُوح را صحبتِ ناجنس عذابے است الیم" اسی طرح مُلّا احمد شیعی کو جب فولاد بیگ برلاس نے شیعیت کے جُرم میں قتل کیا ہے اور اُن کی لاش کو سپردِ خاک کیا گیا تو اُن کی قبر پر فیضی اور ابوالفضل نے محافظ مقرر کیے تاکہ نبش قبر نہ کیا جاسکے۔ لیکن اس کے باوجود قبر کو کھود کر اُن کی لاش کو جلا دیا گیا۔ (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۶۴) مُلّا بدایونی نے مُلّا احمد کو سگ و خوک کا خطاب عطا فرما کر اُن کی لاش کو جثۂ کثیف سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ہے ہمارے مؤرّخ کی متانتِ تحریر!

شیعیت کے لیے موافق حالات

ان واقعات کے ساتھ ہی ساتھ اس صدی میں کچھ حالات بدلے اور مظلوم شیعوں کے لیے زمانہ کچھ سازگار ہُوا۔ ۹۰۳ھ سے ۹۳۱ھ کی مدّت میں میر شہداد نے از سرِ نو ملتان میں مذہبِ شیعہ کو رواج دیا۔ (مرآۃ العالم بختاور خاں، حصہ چہارم ص ۸۲ مخطوطہ) اور یہیں سیّد راجو بن سیّد حامد بخاری نے کھل کر شیعی مذہب کی تبلیغ شروع کر

دی۔ کشمیر میں میر شمس الدین عراقی نے مذہب شیعہ پھیلایا اور بیجاپور دکن میں یوسف عادل شاہ نے شیعیت کی نشر و اشاعت کی اور ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلے ماہ جمادی الاولیٰ ۹۰۸ھ میں علانیہ نمازِ جمعہ و جماعت ادا کی گئی۔ خطبہ میں ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اسمائے متبرکہ لیے گئے اور اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ کہا گیا۔ (البساتین السلاطین، ابراہیم زبیری، بستان اول ص ۱۹)

دربار اکبری میں شیعہ عنصر کا غلبہ

عنایت اللہ شیرازی و ملّا فتح اللہ شیرازی کی تعلیم و تلقین سے یوسف عادل شاہ دکنی نے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا۔ بعد میں یہی مُلّا فتح اللہ شیرازی اکبر اعظم کے دربار میں آ گئے جن کے تعلّقات ہمارے شہیدؒ ثالث سے بھی تھے۔ اب اکبر اعظم بھی اپنے مصالح کی بنا پر عصبیتِ مذہب و شدّتِ عقیدت کے شکنجہ سے آزادی حاصل کر رہا تھا۔ اس کے اتالیق بیرم خاں ترکمان شیعی کی تربیت کے اثرات ظہور پذیر ہوئے اور اس کے دربار میں شیعی عنصر غالب آ گیا۔ حکیم ابو الفتح گیلانی، مُلّا فتح اللہ شیرازی، حکیم ہمام، ابو الفضل علّامی، ابو الفیض، فیضی فیّاضی، مرزا عبد الرحیم خانخانان۔ ان سب میں سے ہر ایک شیعی رجحان رکھتا تھا۔ ان کی کوششوں سے اکبر اعظم نے تمام ممالکِ محروسہ میں مذاہب کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اب شیعیّت کو اُبھرنے اور پھیلنے کا موقع ملا۔ مُلّا عبد القادر نے جو خود بھی اکبری دربار میں تھا "شیعیان غالب و سُنّیان مغلوب" کہہ کر اس عہد کی تصویر کشی کی ہے۔ (منتخب التواریخ، جلد دوم ص ۳۱۵) اب بہترین موقع تھا کہ ایک شیعہ عالم جو صاحبِ عزیمت و دعوت ہو وہ مذہب اہلبیت کی تبلیغ کرے۔

شہید کا اکبری دربار میں داخل ہونا اور فقہ جعفری کی اہمیت کو ثابت کرنا

یہ حسن اتّفاق ہے کہ اسی زمانے میں شہید ثالث واردِ ہندوستان ہوئے اور آگرہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی کو میزبانی کا شرف بخشا۔ آپ کی فضیلت و دیانت کی شہرت سُن کر اکبر اعظم نے جو علمائے عامّہ کی چیرہ دستیوں سے عاجز ہو چکا تھا۔ آپ کو لاہور کا قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کر دیا۔ آپ نے اُس عہدہ کو بتقاضائے وقت فقہ اہلبیتؑ کی ہمہ گیری و جامعیت ثابت کرنے کے لیے اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا کہ "میں مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے کسی مذہب کا پابند نہ رہوں گا بلکہ چاروں فقہی مذاہب میں سے جس مذہب کے موافق فقیہ مذہب جعفری ہونے کی حیثیت سے میرے اجتہاد کا مقتضیٰ ہوگا اسی کے موافق فتوے دوں گا اور فیصلے کروں گا۔" (خاتمۃ المستدرک، علاّمہ نوری) چنانچہ آپ نے عہدۂ قضا کے زمانے میں اسی پر عمل کیا۔ مذہب اہلبیت کے اعتبار سے فتویٰ دیتے اور فیصلے فرماتے اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب سے اُس کی توفیق و تطبیق فرما دیتے۔ اس طریقہ سے آپ نے مخالفین شیعہ کے اس ایراد کا عملاً استیصال فرمایا کہ مذہبِ شیعہ جامع و ہمہ گیر قانونِ تشریع نہیں رکھتا۔ بلکہ آپ نے اپنے عمل سے علمائے مذاہبِ اربعہ سے یہ تسلیم کرا لیا کہ جب مذاہب اربعہ باوجود آپس کے فقہی اختلاف کے برحق سمجھے جاتے ہیں تو فقہ جعفری اپنی جامعیت و وسعت و فتح باب اجتہاد کے لحاظ

سے احق ہے کہ اس کو حق سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ سے اُمّتِ مُسلمہ میں جو تشتّت و اختلاف ہے اس کو دُور کیا جائے، گویا شہید علیہ الرحمہ نے اس طرح نہ صرف فقہ اہلبیت کے تفوّق کو ظاہر فرمایا بلکہ اختلافِ عالمِ اسلام کو فقہِ اہلبیتؑ کے ذریعہ دعوتِ اتحاد دی۔

شہید علیہ الرحمہ کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ملتی کہ اس طرح فقہ اہلبیت کو عالمِ اسلام میں روشناس کرایا گیا ہو۔ ایسا نہیں تھا کہ اکبرِ اعظم اور اس کے علمائے اہلسنّت جناب شہیدؒ کی شیعیت سے ناواقف تھے۔ شہنشاہ، اہل دربار، علما سب پر آپ کی شیعیّت روشن تھی، مُلّا عبدالقادر بدایونی جس نے اپنے قلم سے کسی شیعہ کی تعریف نہیں کی وہ آپ کی مدح و ثنا کے ساتھ آپ کی شیعیّت کا اعلان کرتا ہے۔

”قاضی نور اللہ شوستری اگرچہ شیعی مذہب است اما بسیار بصفتِ نصفت و عدالت و نیک نفسی و حیا و تقویٰ و عفاف و اوصافِ اشراف موصوف است و بعلم و حلم و جودتِ فہم و حدّتِ طبع و صفائے قریحہ و ذکا مشہور است صاحبِ تصانیفِ لائقہ است۔ توقیعے بر تفسیر مہمل فیضی نوشتہ کہ از حیّز تعریف و توصیف بیرون است و طبع نظمے وارد و اشعارِ دلنشین می گوید۔“

اور اسی طرح آپ کے عہدۂ قضا کے خدمات میں بدایونی آپ کی مدح میں یوں رطب اللسّان ہے :۔

”والحق کہ مفتیانِ ماجن و محتسبانِ حیّال محتال لاہور را کہ معلّم الملکوت سبق می دہند خوش ضبط در آوردہ و راہِ رشوت را بر ایشاں بستہ و در پوست پستہ گنجانیدہ چنانچہ فوق آں متصوّر نیست و میتواں گفت کہ قائل ایں بیت او را منظور داشتہ و گفتہ کہ ؎

تو ئی آں کس کہ نہ کردی ہمۂ عمر قبول
در قضا ہیچ زکس غیر شہادت زگواہ

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۳۷، ۱۳۸)

اکبری دربار کے مشہور عالم سُنّی و مؤرّخ مُلّا عبد القادر صاف بتلا رہے ہیں کہ شہید ثالثؒ کی شیعیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ وہ آپ کے فضل و کمال، تقویٰ و دیانت اور تمامی اخلاقِ فاضلہ سے آپ کو متّصف بتلا رہا ہے اور یہ گواہی دے رہا ہے کہ آپ میں تدبیرِ نظم و نسق عدلیہ کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ عبد القادر بدایونی کی یہ شہادت کسی موافق کی گواہی نہیں ہے بلکہ ایک مخالف شیعہ کی گواہی ہے جو اس انداز سے پیش کر رہا ہے کہ اگرچہ وہ شیعہ مذہب ہیں لیکن فضل و کمال کے ساتھ وہ مجموعۂ صفات حسنہ ہیں یعنی اُس کے نزدیک ایک شیعہ میں ان صفات کا ہونا باعثِ حیرت ہے کیونکہ اس کے نزدیک شیعہ ان صفات سے عاری ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ایک شیعہ مجتہد کا اس شرط کے ساتھ قاضی مقرر کیا جانا کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق فتاوے اور فیصلے دے۔ لیکن فتووں اور فیصلوں کا چاروں مذاہب اہلسنّت میں سے کسی ایک مذہب کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ایک بڑا خطرناک اور عظیم اقدام تھا جس کی ذمّہ داری جناب شہیدؒ نے اپنے سر لی۔ علمائے عامّہ کی نگاہیں جناب شہیدؒ کے فتاویٰ کی طرف رہی ہوں گی کہ کوئی محل اور موقع مل جائے اور یہ کہا جاسکے کہ یہ فتوے یا فیصلہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اگر کوئی فتویٰ اس شرط کے خلاف ہوتا تو آسانی سے علماءِ دربارِ شاہی عہدۂ قضا سے معزولی کا حکم صادر کرا سکتے تھے لیکن جناب شہیدؒ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس بنا پر عہد اکبری یا جہانگیری میں معزول کیے گئے۔

اکبر کے بعد علماء نے جہانگیر کو ورغلایا کہ قاضی نوراللہ شیعہ ہیں اور اپنے مذہب کے مطابق فتوے اور فیصلے دیتے ہیں۔ جہانگیر نے جواب دیا کہ یہ وجہ قاضی کو ملزم نہیں قرار دے سکتی کیونکہ شروع میں سلطانِ وقت خلیفۂ الٰہی (اکبر) سے یہ شرط کرلی تھی کہ وہ اپنے اجتہاد کے موافق فتوے دیں گے جو مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہوگا۔ اس لیے یہ الزام اُن پر عائد نہیں ہوتا کہ فتووں اور فیصلوں میں شیعہ مذہب کی پیروی کی (خاتمۃ المستدرک، علامہ نوری) غرض کہ فقہ جعفری کا اس طرح تعارف کرانا آپ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو آپ کے مقام کو علمائے شیعہ میں سب سے بلند کر دیتا ہے۔ دراصل ہندوستان میں شیعی مذہب کی تبلیغ کے سلسلہ میں شہید علیہ الرحمہ کو وہ مرتبہ حاصل ہے جو نشأۃ ثانیہ بخشنے والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر جناب شہیدؒ مذہب حق کے لیے اپنی عزیمت سے کام نہ لیتے تو ہندوستان میں یہ مذہب مٹ جاتا۔ اس حیثیت سے جناب شہید ثالثؒ ہندوستان میں بنیادِ شیعیت کو مستحکم کرنے والے ہیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے شیعی مذہب کی ایسی تبلیغ کی جس کے بعد پھر ہندوستان سے اس مذہب کو نہیں مٹایا جا سکا۔ بے شک ہندوستان میں شیعیّت کی نشرواشاعت کے لیے مختلف زمانوں میں دولتِ فاطمیّہ، عادل شاہیہ، نظام شاہیہ، قطب شاہیہ حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوتی رہی لیکن شہید علیہ الرحمہ کی سرپرستی کے لیے کوئی دنیاوی حکومت و طاقت نہ تھی۔ اس سلسلہ میں خود ان کی عزیمت راسخہ اور روحانی طاقت اُن کی معین ہوئی۔

آپ کے عہد میں شیعی مذہب کے خلاف مخالف علماء کتابیں لکھ کر ان کی اشاعت کرتے تھے اور متقدمین کی وہ کتابیں جو شیعی مذہب کے خلاف تھیں۔ ان کو ماوراالنہر اور حجاز سے بطور ارمغاں ہندوستان لاتے تھے۔ اُن کے مضامین کی نشرواشاعت کی

جاتی تھی۔ مکاتیب ورسائل لکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اُس عہد کے صوفیا بھی نقشبندی طریقہ کو اختیار کر کے فاتح بابِ ولایت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے انحراف کرتے رہتے تھے۔ ان حالات میں شہید علیہ الرحمہ نے ان کتابوں کی رَد کو ضروری سمجھا۔

مخالفین کی رَد میں شہیدؒ کے تصانیف

مصائبُ النّواصِب میرزا مخدوم ناصبی نے کتاب نواقض الرّوافض کو تالیف کیا اور ہندوستان میں اس کے نسخے کثرت کے ساتھ پہنچے، جس سے شیعوں کے خلاف اہلسنّت کے بغض وعناد کے جذبہ کو بڑی تقویت پہنچی۔ ضرورت تھی کہ اس کتاب کی فوراً رد لکھی جائے۔ جناب شہیدؒ اس طرف متوجہ ہو گئے اور ماہِ رجب ۹۹۵ھ میں آپ نے سترہ دن کی قلیل مدّت میں اس کے جواب میں مصائب النواصب کو تالیف فرمایا۔ نواقض الرّوافض میرزا مخدوم کا ایک نسخہ ابوالفضل وفیضی کے والد شیخ مبارک کے پاس بھی پہنچ چکا تھا۔ جب اُنھیں معلوم ہُوا کہ نوراللہ شوستری اس کی رَد میں لکھ رہے ہیں تو اُس کا مطالعہ کرنے کے لیے اتنے بے چین ہُوئے کہ جس قدر آپ رد لکھتے جاتے تھے۔ مبیّضہ ہونے سے قبل مسوّدہ کو طلب کر لیتے تھے اور اس کا مطالعہ کر کے اپنے کاتب سے لکھواتے جاتے تھے۔ جناب شہیدؒ اپنے مکتوب میں جو میر یوسف علی اخباری استر آبادی کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"ومرحوم شیخ مبارک کہ دانشمند زمان خود بود و تتبّع کتبِ شیعہ نمودہ وکتاب میرزائے مخدوم رانیز داشت چوں مطلّع شد کہ فقیر براں رومی نویسم مجال نہ داد کہ بربیاض رد دوز بروز مسوّدۂ آں را از فقیر می گرفت وبکاتب خود می داد کہ

بنو لیسد و می گفت اگر توفیق بیاض شود یکبار آں را خواہم نو لیسانید"۔ (جواب مکتوب دہم میر یوسف علی از مجموعۂ مکاتیب یوسف علی اخباری و شہید ثالثؒ مرتبہ عبد الرحیم بغدادی مخطوطہ کتب خانۂ آصفیہ نمبر ۱۱۸۴ فن کلام)

اسی مکتوب میں جناب شہید ثالثؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:-

"احمد بیگ حاکم کشمیر جو متعصب سُنّی تھے۔ وہ نواقض الروافض میرزا مخدوم کے مطالعہ کے بعد اُس کے ایراد و اعتراض کو جو مذہب شیعہ کے خلاف تھے، عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے اور مُلّا محمد امین کشمیری شیعی سے برملا بحث و مناظرہ کر کے وہاں کے شیعوں کو پریشان کرتے تھے۔ چونکہ مُلّا محمد امین شیعی کی ملاقات جناب شہیدؒ سے سیاحت کشمیر کے موقع پر ہو چکی تھی اس لیے مُلّا محمد امین شیعی نے نواقض کے جواب کو آپ سے طلب کیا اور یہ لکھا کہ:-

"ایں ہم چنیں اجتماع و مباحثہ روی دادہ اگر کتاب رد النواقض را نخواہید فرستاد فردائے قیامت پیش جدِ شما شکایت خواہم کرد۔"

اس وقت آپ نے مُلّا محمد امین شیعی کے پاس "مصائب النّواصب" کی ایک نقل روانہ فرمائی جس کے مطالعہ کے بعد مُلّا محمد امین مناظرہ و مباحثہ میں اہلسنّت پر غالب ہوئے اور اس طرح یہ کتاب کشمیر میں مذہب شیعہ کی تقویت کا سبب بنی۔

مصائب النّواصب کے بارگاہِ امیر المومنینؑ میں مقبول ہونے کا ثبوت مُلّا محمد امین کے اس واقعہ سے ملتا ہے جو انھوں نے جناب شہیدؒ کو ان الفاظ میں لکھا تھا کہ:-

"سہ روز پیش از آنکہ ردّ النواقض برسد خواب دیدم کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ترکشِ پُر تیر با کمان بر میانِ من بستند و بعد از اں سہ روز آں نسخہ رسید و از آں ترکش

تیر ہائے جانگاہ بر مخالفاں زدم "۔

(ترجمہ) "اس کتاب کے پہنچنے سے تین روز پہلے میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرت نے میری کمر میں تیروں سے بھرے ہوئے ترکش و کمان کو باندھا۔ تین دن بعد جب کتاب پہنچی تو میں نے اس ترکش سے جان لیوا تیر مخالفین کو مارے "۔

مجالس المؤمنین اسی عہد میں مخالفینِ شیعہ اپنے مصنّفات کے ذریعہ یہ پروپیگنڈا بھی بڑے زور و شور سے کرتے تھے کہ مذہب شیعہ ایک نومولود مذہب ہے جس کی ابتدا شاہ اسمٰعیل صفوی اول کے عہد سے ہوئی ہے اور ماضی میں یہ فرقہ وجود نہیں رکھتا تھا اور نہ اس مذہب کی کوئی شاندار تاریخ ہے۔ آپ نے اس خیالِ باطل کو غلط ثابت کرنے کے لیے ۹۹۲ھ سے ایک ضخیم کتاب "مجالس المومنین" لکھنی شروع کی جس کو ۱۰۱۰ھ میں بمقام لاہور اختتام کو پہنچایا۔ اس کتاب میں مذہب شیعہ کی قدامت اور اس کی علمی و ادبی و روحانی و سیاسی عظمت و اہمیت کو روز روشن کی طرح واضح فرمایا ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اسی عہد میں مخالف و مولف نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور نہ صرف موافقین بلکہ مخالفین نے بھی اپنے مصنّفات میں اس سے استفادہ کر کے اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔ اس امر کے استشہاد میں بہت سی تالیفات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ مجالس المؤمنین نہ صرف ایک تاریخی گنجینہ، رجال شیعہ کا تذکرہ یا سلاطین و وزراء، اعیان و ابطال، علماء و حکماء، ادباء و شعراء، مصنفین و مؤلفین، روحانیین و صوفیاء، مؤلفات و مصنّفات، قبائل و عشائر، امصار و بلاد کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا ہے بلکہ مباحثِ کلامیہ و تحقیقات علمیہ کے لحاظ سے بھی

ایک بیش بہا کتاب ہے۔

احقاق الحق

۱۰۱۴ھ میں جب آپ آگرہ میں تھے اور کثرتِ ملال وضعفِ حال کی وجہ سے بقولِ خود مثل بوسیدہ مشک کے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔ آپ نے سات ماہ کے عرصہ میں مشہور متکلم اہلسنّت ابن روزبہان کی کتاب ابطال الباطل (جو کشف الحق و نہج الصدق علامۂ حلّی کے رد میں لکھی گئی تھی) کا جواب احقاق الحق تحریر فرمایا الحق کہ جناب شہیدؒ کی اس کتاب نے اشاعرہ کی کمر کو ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔ اسی کتاب کے متعلق علاّمۂ الحاج محمد جعفر کبودر آہنگی اپنی کتاب مرآۃ الحق میں تحریر فرماتے ہیں۔ (ترجمہ از فارسی):۔

"انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جیسا میں نے اُستادِ معظم میرزا ابوالقاسم قمی اور بعض دوسرے علماء جیسے میرزا محمد مہدی طباطبائی شہرستانی کو کہتے ہوئے سُنا کہ قاضی نوراللہ علم وفضل، تحقیق و تدقیق، تلاش و بحث میں ایسا کمال رکھتے تھے کہ اس طرح فاضل روزبہان کے اعتراضات کو رَد فرمایا اور اگر خود علاّمۂ حلّی بھی اس کی رد اس طرح کرنا چاہتے تو میرے خیال میں اس انداز پر اُن سے بھی ممکن نہ تھا۔"

(مرآۃ الحق فارسی ص ۷، ۹ مطبوعہ)

یہی فاضلِ اجل دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

"احقاق الحق و مجالس المومنین ان دونوں کتابوں کی نفاست شرافت اس مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ محقّق و محدّث مولانا محمد تقی مجلسی اوّل نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شیعہ پر لازم ہے کہ ان دونوں کتابوں کو وہ اپنے

پاس ضرور رکھے۔" (مرآۃ الحق ص ۱۰۹ مطبوعہ)

صوارم مہرقہ آپ کے آخری ایام میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکی کی صواعق محرقہ ہندوستان پہنچی۔ اس کتاب کی بھی اہلسنت میں بڑی دھوم ہوئی۔ آپ نے اس کے جواب میں صوارم مہرقہ تالیف فرمائی۔ غرض کہ جناب شہیدؒ نے حمایت مذہب کے سلسلہ میں جلیل القدر کتابیں تالیف فرمائیں جن میں مخالفین کے اعتراضات والزامات کے دندان شکن جوابات دیے اور شیعہ مذہب کی حقانیت و صداقت اور اس کی حقیقت و قدامت کو ثابت کیا۔

شہیدؒ کا تقیہ نہ کرنا

شہید علیہ الرحمہ نے اپنے لیے تقیہ کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ اپنے مذہب و عقیدہ کو علانیہ ظاہر کیا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ مُلّا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی نے صاف صاف یہ تبلایا ہے کہ وہ شیعی مذہب ہیں اور آپ کا مذہب ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ آپ کے تقیہ نہ کرنے پر میر یوسف علی استر آبادی اخباری نے اعتراض بھی کیا جس کا جواب شہید علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں مدلّل و مشرّح تحریر فرمایا ہے۔ اُس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"باعتقادِ فقیر در دار الملکِ ہند بدولتِ بادشاہِ عادل جائے تقیہ نیست و اگر جائے تقیہ باشد بر امثالِ فقیر واجب نیست زیرا کہ کشتہ شدن امثالِ فقیر در نصرتِ مذہبِ حق موجبِ عزّتِ دین است و صاحبِ شرع رخصت دادہ اند کہ چنیں کسے تقیہ نکند اما دیگرے را کہ درمیان اہلِ دین

اورا اسمے ورسمے نباشد در نصرتِ دین معقول نتواند گفت واجب است

کہ تقیہ کنند۔" (جوابِ مکتوبِ دہم میر یوسف علی)

(ترجمہ) فقیر کے اعتقاد میں بعہدِ حکومتِ شہنشاہِ عادل (اکبرِ اعظم) ہندوستان کے دارالحکومت میں تقیہ کرنے کا کوئی محل نہیں ہے اس لیے کہ نصرتِ مذہبِ حق میں مجھ ایسے شخص کا قتل کر دیا جانا دین کی عزّت کا سبب ہے اور صاحبِ شریعتِ حقّہ نے اجازت دی ہے کہ ایسا شخص تقیہ نہ کرے لیکن دوسرا شخص جو اہلِ دین میں کوئی بلند مقام نہیں رکھتا ہے اور مجہول الحال ہے اور دین کی نصرت و حمایت میں معقول بات نہیں کہہ سکتا ہے اُس پر واجب ہے کہ تقیہ کرے۔"

مولانا قوسی شوستری نے شہید کی مدح و ثنا میں ایک قصیدہ غَرّاء کہا تھا جس کے جواب میں اسی بحر و قافیہ میں شہید علیہ الرحمہ نے بھی چند اشعار موزوں کر کے مولانا قوسی کو روانہ کیے تھے۔ اس میں شہنشاہ اکبر کی مدح کے علاوہ تقیہ نہ کرنے کا سبب بھی ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

شہنشہی کہ زپاسِ حمایتش در ہند
نبردہ شاہدِ ایمانِ من تقیہ بکار
شہی کہ تیغِ زبانم زیمن تقویتش
بدفعِ حُجّتِ خصم است ذوالفقار آثار

(ترجمہ) ایسا شاہنشاہ (عادل) جس کی پاسِ حمایت کی وجہ سے ہندوستان میں میرے شاہدِ ایمان نے تقیہ سے کام نہیں لیا، وہ بادشاہ جس کی قوّت و

مدد سے میری تیغِ زبان دشمنوں کے دلائل و حجت کو قطع و دفع کرنے میں ذوالفقار کا کام کرتی ہے۔" (دیکھو بیاض نواب عنایت خاں راسخ ولد نواب لطف اللہ خاں صادق ورق ۹۲ ب مخطوطہ نمبر $\frac{50}{335}$ فارسیہ حبیب گنج مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ)

تقیہ نہ کرنے کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب شہید شیخ الاسلام علامہ شیخ محمد بہاء الدین عاملی متوفی ۱۰۳۱ھ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ولمّا استرحت من طیّ المسافة وشنّ الآفة حططت رحلی بدار الخلافة ساعد فی القضاء والقدر الاستضاءة من انوار النیّر الازهر والاستظلال الظّل عنایة السّلطان الاعظم الاکبر فارسلت دمعی سجالاً وانشدت ارتجالاً:

الله اکبر ایّ برق لاحا لی من ثنیّات الوداع صبلحا
ملاء الوجود فخلت ان الشّمس قد طلعت وما نشر النّهار جناحا

والاقبال مدخلاً کریماً هبتت علی نفحات القبول مایقصر الالسنة عن نعتها وماتری من آیة الّا وهی اکبر من اختها فوالله الطّالب الغالب ونبیّہ۔ وولیّہ علیؑ بن ابی طالبؑ انّہ لم یلهنی هوالقرب والمناصب عن التأمّل فی الخواتیم والعواقب ولم ازل مراعیاً کسیرة آبائی الطّاهرین فی سائر المراتب مدافعاً الحجة النّواصب وحیث رأیت انّ ارتکاب طریقة التّقیة فی دیار الهندیّة

یؤدّی الیٰ ماھو اعظم بلیّۃ کضلالۃ الاھل والذّریّۃ و خروجھم عن دین الامامیّۃ الیٰ مذاھب الاشاعرۃ الماتریدیّہ استظھرت بعنایۃ السّلطان الحقّ وطرحت رداء التقیّہ عن منکبی، وجاھدت علماء ھٰذ البلاد بمقدّمات جیاد وجنود شداد علمًا منّی بانّ البحث مع المخالف جھاد وللاٰخرۃ اجمل زاد۔ فالّفت فی اوّل المراتب کتاب "مصائب النّواصب" ردّا علی کتاب "نواقض الرّوافض" وان فیہ مایلیق بلحیۃ صاحبہ من النّواقض۔ ثمّ نھضت الی ردّ کتاب الصّواعق المحرقۃ لابن حجر الجامد فحجرت رمیّہ ایانا بالحجر وصیّرت نار صواعقہ رمادا بلا اثر وقد وفّقنی اللہ تعالی فی مطالب اخریٰ"۔ (بیاض قلمی نواب عنایت اللہ خاں راسخ من منشأت الامیر نور اللہ الشّھید ورق ۹۴، ۹۵ نمبر $\frac{50}{335}$ فارسیہ حبیب گنج۔ کلکشن مسلم یونیورسٹی لائبریری)

(ترجمہ) "درازی مسافت ورنج سفر کو طے کر کے ہندوستان (کے دارالسلطنت آگرہ) پہنچا۔ وہاں قضا وقدر نے میری مساعدت کی اور مجھے موقع ملا کہ میں آفتابِ درخشاں سے مستفید ہوں اور سلطانِ اعظم شہنشاہِ اکبر کے زیرِ سایہ آرام کروں، فرطِ مسرّت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے فوراً یہ اشعار کہے۔ (ترجمہ) اللہ اکبر صبح رخصت یہ کون سی برق پہاڑ

کی گھاٹیوں سے چمکی جس کی روشنی مجھ پر چھا گئی، میں نے سمجھ لیا تاریکی شب نے اپنے بازوؤں کو نہیں پھیلایا۔ سورج چمک رہا ہے۔ یہ روزِ روشن ہے، توفیقِ خداوندی سے بڑی کامیابی میرے شاملِ حال ہوئی سعادت و اقبال کے ساتھ باعزت جگہ داخل ہُوا۔ میری مقبولیت کی نسیمِ جانفزا چلنے لگی جس کے ذکر و توصیف سے زبانِ قاصر ہے، شاہی توجہ و ملوکانہ عنایت مجھ پر روز افزوں بڑھنے لگی۔ دراصل معبودِ حقیقی اللہ، اور اُس کے رسول اور اُس کے ولی کا کرم تھا، لیکن اس منصب و قربت نے مجھے بھُلاوے میں نہیں ڈالا بلکہ میں اپنے انجام و عاقبت پر برابر نظر رکھتا رہا اور میں نے نواصب کے دلائل و حجّت کے دفاع کے سلسلہ میں اپنے آباءِ طاہرین کی پاکیزہ سیرت کو برابر پیشِ نظر رکھا۔ اسی بناء پر میں نے یہ سمجھ لیا کہ ہندوستان میں تقیّہ اختیار کرنا ایک بہت بڑی بلا کا سبب ہے کیونکہ اس سے اہل و عیال، ذرّیت و اولاد دینِ امامیہ سے نکل کر مذاہبِ باطلہ اشاعرہ و ماتریدیہ (سنّی مذہب) کو اختیار کر لیں گے، میں نے سلطان کی عنایت و مہربانی سے قوت حاصل کر کے اپنے کندھوں سے تقیّہ کی ردا کو اُتار پھینکا اور مخالف علمائے ہندوستان سے بڑے اچھے عنوان کے ساتھ دلائل لشکر کو لے کر مشغولِ جہاد ہو گیا۔ میں یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ مخالفین اہلسنّت سے بحث و مناظرہ کرنا جہاد ہے جو آخرت کے لیے بہترین زاد ہے اس لیے میں نے سب سے پہلے "مصائب النّواصب" کو تالیف کیا جو "نواقض الرّوافض" کی رد ہے اور اس کتاب میں ایسے دلائل میں نے لکھے جس سے مصنّف نواقض کی ریش فحش غلاظت سے بھر گئی۔ اس کے بعد

ابن حجر جامد کی "صواعق محرقہ" کی رَد لکھی ۔ میں نے اس کے پھینکے ہُوئے پتھروں کو خود اُس کی طرف پلٹا دیا اور اس کی آتش صاعقہ کو ٹھنڈی راکھ بنا دیا اس کے علاوہ دُوسرے اُمور کے انجام دہی کی توفیق بھی خدا نے بخشی۔"

دشمن بوکھلا گئے

بہرحال جناب شہید ثالثؒ کی شیعیت اُن کی زندگی میں محتاجِ تعارف نہ تھی۔ آپ نصرتِ حق کے سلسلہ میں اپنی شہادت کو عزتِ دین کا سبب سمجھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے آلام و مصائب، پریشانی و آفت کی پروا نہ کرتے ہُوئے بقائے شیعیت کے سر و سامان کو فراہم کر دیا۔ خود فرماتے ہیں: ؎

خوش پریشاں شدہ با تو نہ گفتم نوری
آفتے ایں سر و سامانِ تو دارد در پے
(تذکرۂ صبح گلشن)

احقاق الحق، مجالس المومنین، مصائب النواصب، صوارم مہرقہ، یہی وہ سر و سامان ہے جو "آفتے در پے" کا باعث ہُوا اور بقول شہیدؒ "آخر از آنچہ می ترسیدم باں رسیدم"۔
(اوائل مجلس پنجم)

شہیدؒ کے متذکرہ مکتوب کی روشنی میں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عہدِ اکبری جناب شہیدؒ کے لیے پُرسکون راحت و آرام سے گزرا بلکہ اس دَور میں اذیت و تکلیف آپ کو برداشت کرنی پڑی ہے اس کو آپ نے خود اپنی مختلف تحریروں میں ظاہر کیا ہے۔ خاتمۂ احقاق الحق میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مجھے میرے زمانے (عہدِ مغلیہ) کے ہند منحوسہ کی طرف پھینکا۔ یہ بدبخت منحوس پیرزن (یعنی اُس عہد کا ہندوستان) میرے غم کو زیادہ کرتی رہی حتٰی کہ

میں نے گمان کیا کہ ہندِ جگر خوارہ (زوجۂ ابوسفیان و مادرِ معاویہ) یہی ہے جس نے میرے عمِّ بزرگوار (حضرتِ حمزہ عمِّ رسولؐ) کا جگر چبایا تھا لیکن خداوند عالم نے محبّتِ اہلبیت کے برکات سے میرے دل کو زندہ کر دیا۔"

(خاتمۂ کتاب احقاق الحق)

اسی امر کو آپ اپنے دوسرے مکتوب میں جو آپ نے شیخ الاسلام علاّمہ بہاء الدّین عاملی کو تحریر فرمایا تھا یوں ظاہر فرماتے ہیں:۔

"انّہ قد مضیٰ زمان سلب الدّھر عنی التّوفیق و حمل الھند اللئیمۃ المنحوسۃ فؤادی المستھام بما لایطیق فنقب السّلطان سلب العنایۃ والاحسان مع سدِّ باب توجھّی الیٰ عراق وخراسان وقد بالغت فی ھذہٖ الایّام المنحوسہ تلک اللئیمۃ المانوسۃ فی ازدیاد غمّی واھتمّت فی عداوتی واعداھمّی حتّی ظننت انھا الھند اللآئکۃ لکبد عمّی۔"

ماحصل یہ کہ: "عرصے سے زمانے نے اپنے توفیقاتِ خیر و حُسنِ سلوک کو مجھ سے سلب کر لیا ہے اور میرا مخالف ہو گیا ہے، ہند منحوسہ و لئیمہ نے میرے دل کو ایسے صدمے پہنچائے جو ناقابلِ برداشت ہیں۔ اُس نے اپنی دشمنی وعداوت کے برتاؤ سے مجھ پر ظلم و ستم کیا اور میرے ہمّ و غم کو بڑھایا۔ میں تو سمجھنے لگا کہ یہی ہندِ جگر خوارہ ہے جس نے میرے چچا حمزہؓ کے دل و جگر کو چبایا تھا سلطان اکبر نے میری طرف سے بےرُخی و بے اعتنائی کو اختیار کر کے نہ صرف اپنی

مہربانیوں اور احسانات کو ختم کر دیا ہے بلکہ ایران وعراق کے دروازے بھی مجھ پر اس طرح بند کر دیے گئے ہیں کہ اب میں یہاں سے واپس بھی نہیں جا سکتا۔" (بیاض نواب عنایت خاں راسخ۔مکتوب شہیدؒ بجواب علامہ بہاء الدین عاملی ورق ۹۶ ب)

جنابِ شہیدؒ کی اس تحریر سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ پر عہدِ اکبری میں ناقابلِ برداشت مظالم کیے گئے جن کی وجہ سے آپ ایران واپس جانا چاہتے تھے لیکن ناسازگار حالات نے نہ جانے دیا۔یہی بات آپ نے اپنے فرزندِ اکبر سیّد شریف کو بھی تحریر فرمائی تھی:

"اعلام آنفرزندِ دلبند آنکہ بر وجہے کہ خود دیدہ و دانستہ مکنونِ خاطر فاتر خلاصی ازیں ظلمت آباد بود وجہتِ تحصیل ایں مطلوب انواعِ تدبیر و حیل نمود وایں بیچارہ را بجائی خود نگذاشتند و عزمِ توجّہ بجانبِ ایران بازداشتند ۔

شور شے در چشمِ گریاں داشتم نگذاشتند

کوششے در کار طوفاں داشتم نگذاشتند

سالِ دیگر می توانستم قتیلِ کعبہ شُد

انتظارِ عیدِ قربان داشتم نگذاشتند

کارہا می آمد از افراسیاب بختِ من

نیّتِ ایران و توراں داشتم نگذاشتند

(ترجمہ)" اے فرزندِ دلبند جیسا کہ آپ خود جانتے ہیں لیکن پھر بھی میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں۔

اس شکستہ خاطر کی یہ دلی خواہش رہی کہ اس ظلمت آباد (ہندوستان) سے

چھٹکارہ حاصل کروں اور یہاں سے نکل چلنے کے لیے مختلف تدبیریں اور ہر قسم کے حیلے۔ بتن کیے لیکن اس بیچارہ کو کسی طرح بھی نہیں چھوڑا اور اس ارادہ میں کہ ایران چلا جاؤں رکاوٹیں پیدا کیں۔

(ترجمہ اشعار):۔

"چشمِ گریاں میں ایک سیلابِ اشک تھا جس کو بہنے نہیں دیا گیا۔
چاہتا تھا کہ طوفان اُٹھاؤں لیکن لوگوں نے اس کوشش سے باز رکھا۔
دوسرے سال قتیلِ کعبہ ہو سکتا تھا اور عیدِ قربان کا انتظار کر رہا تھا۔
لیکن لوگوں نے نہیں چھوڑا۔
میرے افراسیابِ بخت سے بڑے نمایاں کام انجام پائے ہیں ایران و توران جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا لیکن لوگوں نے نہیں جانے دیا۔"

(بیاض نواب عنایت خاں راسخ قلمی ورق ۹۳ ب)

جہانگیری دور

انھیں حالات میں اکبری عہد کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جہانگیر تخت و تاج کا وارث ہُوا۔ تخت نشین ہونے سے پہلے ہی جہانگیر نے اپنے رکن السّلطنت شیخ فرید بخاری نقشبندی سے یہ اقرار کر لیا تھا کہ وہ اکبر کی پالیسی کے خلاف مذہب عامّہ کی حمایت کرے گا۔ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی شیخ فرید کو اُن کے مرشد شیخ احمد سرہندی نے جو خط لکھا اس میں خصوصیت سے اس امر کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔

"امروز کہ نویدِ زوالِ مانعِ دولتِ اسلام و جلوسِ بادشاہ اسلام بگوشِ خاص و عام

رسید اہلِ اسلام برخود لازم دانستند کہ ممد و معاون بادشاہ باشند و بر ترویجِ شریعت وتقویت ملّت دلالت نمایند۔"

"یعنی آج کے دن مانع دولتِ اسلام (اکبر) کے زوال (موت) کی خوش خبری سُنی اور بادشاہِ اسلام (جہانگیر) کے جلوس کی خبر مسرت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی۔ تمام اہلِ اسلام نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ وہ بادشاہ کے معین و مددگار ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملّت کی تقویت کی رہبری کریں۔"

اس لیے بالفاظ شیخ سرہندی" جرگۂ ممدّانِ اسلام کا ہجوم دربار جہانگیری میں ہو گیا اور اہل بدعت" (شیعہ) و کفار کے استیصال کی فکریں ہونے لگیں۔

خود جہانگیر اپنے مذہبی خیالات میں متعصب تھا۔ اس نے مذہبی عصبیت کو اپنے استاد میر کلاں محدّث اکبر آبادی مُصنّف کتاب "سمّ الفوارض فی ذمّ الرّوافض" و رسالۂ "احکام سبّ الشیخین" سے حاصل کیا تھا۔ اسی طرح قاضی محمد اسلم ہروی جنھوں نے شیعوں کی کتابوں کو جلانا عین ایمان سمجھا "اور کافی" کلینی کو شارع عام پر جلا کر خاکستر کر دیا (مآثر الامراء) اور شیخ احمد فاروقی سرہندی نقشبندی مجدّد الفِ ثانی جو شیعوں کو کافر و کشتنی سمجھتے تھے ان بزرگوں کی تعلیم و صحبت نے جہانگیر کو انتہائی متعصب بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے دربار میں نقشبندیوں کا غلبہ تھا شروع میں جہانگیر مجدّد کے مکتوب یازدہم کی بنا پر جس میں انھوں نے اپنی معراجِ رُوحانی کا ذکر کیا ہے اور جس میں انھوں نے مقامِ خلیفۂ اوّل سے بھی اپنے بلند مقام پر اپنے عروج کو ظاہر کیا ہے۔ اُن سے برافروختہ ہو کر غضب ناک ہو گیا تھا، کیونکہ اس سے خلفا کی اہانت ہوتی تھی لیکن بعد میں یہی جہانگیر ان کا انتہائی معتقد ہو گیا تھا اور جس زمانے شیخ مجدّد لشکر کے ساتھ رہے بادشاہ اُن کی موعظت و ارشاد کو

برغبت سُنتا اور اُس سے متاثّر ہوتا تھا جہانگیر اُن کی خدمت میں تحفے تحائف اور نذر و نذور بھی پیش کر کے اپنی عقیدت و ارادت کو ظاہر کرتا رہتا تھا، انھیں شیخ احمد سرہندی کے متعلّق شیخ محمد اکرام حنفی لکھتے ہیں :-

"شرع کی حمایت و ترجمانی کے علاوہ مجدّد کا بڑا کام ردِّ بدعت تھا۔ اس زمانہ میں شیعہ مذہب ایران اور مشرقی عراق میں عام ہوگیا تھا۔ ہندوستان میں بھی شاہ کی مقبولِ نظر ملکہ شیعہ تھی۔ بادشاہ کا وزیر شیعہ تھا اور شیعہ عقائد ملک میں شروع ہو گئے تھے۔ شیخ مجدّد نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اس کی مدافعت کی کوشش کی۔ "ردِّ روافض" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ مکتوبات میں نئے فرقے شیعہ کی مخالفت کی اور خود جہاں جاتے یا جہاں اُن کے خلفاء اور مُرید جاتے اس فرقے کے عقائد کی مخالفت کرتے، یہی وجہ ہے کہ جہانگیر کے مزاج میں نور جہاں اور آصف خاں کو بہت دخل ہونے کے باوجود شیعہ عقائد ہندوستان میں بہت عام نہ ہو سکے۔ شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندی کی اشاعت شریعت و طریقت کی تطبیق اور شیعیّت کی مخالفت کے علاوہ حضرت مجدّد نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام احیاء ہے۔"

(رودِ کوثر ص ۱۸۰)

شیخ صاحب پھر لکھتے ہیں :-

"ہم حضرت مجدّد کی تصانیف کے سلسلہ میں اُن کے رسالہ "ردِّ روافض" کا ذکر کر چکے ہیں۔ شیعوں کی مخالفت حضرت مجدّد کی تعلیمات کا ضروری جز تھی اور وہ خلفاء اربعہ کے احترام میں ذرا بھی کمی گوارا نہ کرتے تھے۔" (رودِ کوثر ص ۲۲۱)

پھر فرماتے ہیں:۔

شیعوں کی نسبت بھی اُن (مجدّد) کی رائے اسی طرح (یعنی جس طرح غیر مسلم کفّار کے متعلق تھی) انتہا پسندانہ تھی وہ انھیں کافر سمجھتے تھے اور اُن کے صاحبزادہ خواجہ معصوم نے تو اورنگ زیب کے نام ایک خط میں شیعوں کو واجب القتل ٹھہرایا ہے۔" (رودِ کوثر ص ۳۷۵)

حضرت مجدّد ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں:۔

"یقینی طور پر تصوّر فرمائیں کہ بدعتی (شیعوں) کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت سے زیادہ بدتر ہے۔ تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اُس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ السّلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اُن کا نام "کفّار" رکھا ہے۔" (رودِ کوثر حاشیہ ص ۳۷۸)

واضح رہے کہ شیخ فرید خود نقشبندی تھے اور خواجہ باقی باللہ کے مرید اور شیخ احمد مجدّد کے خاص معتقدین میں سے تھے۔ یہ جہانگیر کے سب سے مقرّب اعیانِ سلطنت میں تھے۔ ان سے زیادہ مقرّب جہانگیر کا کوئی دوسرا نہ تھا۔ انھیں کی کارکردگی سے جہانگیر تخت پر بیٹھا تھا اور اسی نے سلطنت کے حریف خسرو کو شکست دی تھی اس لیے بھی جہانگیر اُن کو بہت مانتا تھا، یہ ہے جہانگیر کے عہد میں شیعوں کو فنا کر دینے کی عوامی تحریک۔ یہی شیعہ دشمن جرگہ نقشبندی جہانگیر کے دل و دماغ پر اثرانداز تھے اور جس مذہبی پالیسی پر جہانگیر عمل پیرا تھا وہ انھیں لوگوں کی بنائی ہوئی تھی۔ دراصل جہانگیر نقشبندیوں کی گرفت میں تھا جن کے متعلق جناب شہیدِ ثالثؒ نے ان خیالات کو ظاہر فرمایا ہے:۔

"خواجہ بہاء الدین نقشبند کہ شیخی را بخیالِ تزویرِ خود بستہ دلّی خدا می گویند و

استمداد و برکات از باطنِ تیرۂ او می جویند"۔ مؤلّف را عقیدہ آنست کہ ہیچکس ازیں طائفۂ رفیعہ سُنّی مذہب نبودہ مگر شرذمۂ ضالّہ نقشبندیہ کہ جہت ترویج بضاعت وگول زدن اہلسنّت اثر نقش تصوّف جہتِ ابوبکر آمدو خرقِ اجماعِ قوم نمودہ خرقۂ طریقیت را باو وبستہ اند"۔ (مجالس المومنین)

غرض کسی جگہ "سلسلۂ مخترعہ نقشبندیہ" کہیں "شرذمۂ ضالّہ نقشبندیہ" ارشاد کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ شیخ احمد سرہندی اور نقشبندیہ گروہ شہیدِ ثالث کے خلاف جہانگیر کو ہر طرح ورغلاتے ہوں گے۔ ان لوگوں کا صرف یہی کام ہوگا کہ جہانگیر کو مذہبِ شیعہ اور قاضی نور اللہ شوستری کے خلاف اُبھارتے رہیں۔ اسی کا اثر تھا کہ جہانگیر کسی منصب پر شیعہ کو نہیں دیکھ سکتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ وہ میر سید جلال جو مقربین میں سے تھے اور بباطن شیعہ تقیّہ کے عالم میں زندگی گزارتے تھے اُن سے کہنے لگا "اگر فی الواقع اعتقادِ شما در مذہبِ امامیہ باشد برطرف سازند"۔ (تذکرۃ الخوانین، شیخ فرید بھکری، مخطوطہ ورق ۳۴ الف) لیکن اُس وقت میر سیّد جلال کا تقیّہ کام آیا اور سر سے بلا ٹل گئی۔ بعد میں یہی بزرگ بعہدِ شاہجہاں صدر الصدور کے عہدے پر فائز ہُوئے۔ اُن کے برخلاف جنابِ شہید کی شیعیت تو روزِ روشن کی طرح نہ صرف ظاہر تھی بلکہ وہ اپنے سیف قلم سے مخالفینِ مذہبِ شیعہ کا استیصال بھی کر رہے تھے اس لیے جہانگیر نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ آپ کو طلب کر کے بظاہر لشکر شاہی کا میرِ عدل بنا دیا گیا۔ گویا اس طریقہ سے آپ کی آزادی کو سلب کر کے فوج کی حراست میں دے دیا گیا۔ دراصل جہانگیری عہد کا آگرہ شہید کے لیے آلام و مصائب کا قید خانہ تھا اسی لیے یہ شہر آپ کی نگاہ میں مکروہ ترین بلاد میں تھا، جہاں شیطانی مکر و فریب کے جال بچھائے جاتے تھے۔ (احقاق الحق)

شہادت کا واقعہ

بالآخر مخالفین کا مکر و فریب یوں رنگ لایا کہ اس عہد کے متعصب علما نے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور جوازِ قتل میں آپ کے مصنفات کو پیش کیا۔ چنانچہ ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۰۱۹ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۶۱۰ء کو جب کہ آپ ترسٹھ سال کے تھے جہانگیر کے حکم سے آپ شہید کر دیے گئے۔

پروفیسر سری رام شرما اپنی انگریزی کتاب شاہانِ مغلیہ کی مذہبی پالیسی میں لکھتے ہیں:

"قاضی نوراللہ ایک مؤثر و فعال شیعہ مصنف ہونے کی وجہ سے جہانگیر کے حکم سے بضربِ دُرّۂ خاردار شہید کر دیے گئے۔"

"The religious policy of the Mughal emperors" (Page 8.)

خود جہانگیر کے معاصر مؤرخین نے بھی آپ کی شہادت کا ذمہ دار جہانگیر ہی کو بتلایا ہے۔ چنانچہ جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کا مشہور منصبدار مؤرخ شیخ فرید ولد شیخ معروف صدر سرکار بھکر معاصر جہانگیر لکھتا ہے:۔

"قاضی نوراللہ قاضی عسکر بود و در مذہب امامیہ بسیار مقتدا بود بہ تقریبے در غضب جہانگیری کشتہ شد۔" (ذخیرۃ الخوانین، ورق ۱۱۱ مخطوطہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

اسی طرح تقی الدین اوحدی بلیانی معاصر جہانگیر جس نے ۱۰۲۰ھ میں اپنے تذکرہ کو آگرہ میں حدِ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ آپ کے تذکرہ میں لکھتا ہے:۔

"دراوائل جلوس جہانگیر کشتہ شد۔ بفرمودۂ او درّۂ خار دار بروئے او زدند دراں حال   درگزشت۔" (عرفات العاشقین جلد دوم ص ،، مخطوطہ خدابخش لائبریری، بانکی پور)

تقی اوحدی جو اس زمانے میں آگرہ میں موجود تھا اس کے بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ بضرب درّۂ خار دار شہید کیے گئے۔ ایک دوسرا مؤرخ جو اورنگ زیب عالمگیر کا معاصر ہے اُس کے بیان سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ دُرّۂ خار دار آہنی تھا۔ چنانچہ مرزا محمد بن معتمد خاں حارثی بدخشی لکھتا ہے:۔

"القاضی نور اللہ مرعشی الشّوستری نزیل الھند العلامۃ الادیب المتکلم الفقیہ الشیعی الاثنیٰ عشری صاحب مجالس المؤمنینِ و احقاق الحق وغیرھما من المصنّفات قتل بامرِ جہانگیر بادشاہ بضرب الکبرۃ۔"

(ترجمہ) علاّمۂ ادیب، متکلم، فقیہ، شیعہ اثنا عشری قاضی نور اللہ مرعشی شوستری، واردِ ہندوستان مُصنّف مجالس المومنین و احقاق الحق و مصنّفاتِ دیگر، جہانگیر بادشاہ کے حکم سے بضربِ دُرّۂ آہنی خار دار قتل کیے گئے۔" (تاریخ آئینۂ محمدی، جلد دوم مخطوطہ ورق ۵۳ ھ کتابت ۱۱۶۱ھ بخطّ مؤلف درکتاب خانۂ رام پُور)

بعض علمائے اہلسنّت نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جہانگیر نے آپ کی زُبان گدّی سے نکلوائی تھی جیسا کہ صاحبِ کتاب المتمیّزُ بالمحك عن غش قضية فدك (غالباً سیف اللہ ملتانی ؟) نے جہانگیر کی مدح و ثنا کے بعد یہ لکھا ہے:۔

"القاضی سکت وسلطان علیہ غضب وقال

السلطان ان لم تات آت لسانک عن العقب

وقد اخذ فی سکوتہ لسانہ من العقب ودفن بعد

تشھیر فی المزبلۃ والقذر لبسوء القدر"

(المتمیز بالمحک، نسخۂ عتیقہ خطی، مسلم یونیورسٹی لائبریری)

(ترجمہ) بموقع دار وگیر قاضی نوراللہ ساکت وخاموش تھے اور سُلطان جہانگیر اُن پر انتہائی غضبناک تھا۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ اگر مُہرِ سکوت نہ توڑو گے اور جواب نہ دو گے تو تمھاری زبان کو گُدّی سے نکلوالوں گا (لیکن اس کے باوجود بھی حق پر جان دینے والے پر عالم استغراق طاری رہا) اور آپ کی خاموشی کی حالت میں زبان کو گُدّی سے نکلوالیا گیا اور اس کے بعد لاش (مطہر) کو (شہر سے باہر) مزبلہ پر تشہیر کرانے کے بعد (بے غسل وکفن) ڈال دیا گیا۔"

عہدِ سلاطینِ مغلیہ کے دُوسرے مؤرخین مثلاً محمد بختاور خاں معاصر عالمگیر متوفی ۱۰۹۶ھ نے اپنی تاریخ مرآۃ عالم (سالِ تالیف ۱۰۸۰ھ) میں مُلّا محمد شاہ معاصر فرخ سیر نے تنقیح الاخبار (سالِ تالیف ۱۱۲۷ھ) میں، والہ داغستانی معاصر محمد شاہ نے ریاض الشّعراء (سالِ تالیف ۱۱۶۰ھ) میں میر عسکری بلگرامی نے صحائف شرائف (سالِ تالیف ۱۲۳۱ھ) میں اور اُن کے علاوہ دُوسرے مؤرخین اور تذکرہ نویسوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ کی شہادت جہانگیر کے قہر وظلم سے ہُوئی۔

آخر میں شہادت کی دردناک کہانی شیخ بزرگ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان سرہندی نقشبندی کی زبانی قابلِ ملاحظہ ہے جس سے بہت سے رازہائے سربستہ کا انکشاف

ہوتا ہے اور خصوصیّت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہانگیر نے آپ کو شیخ احمد سرہندی کے مشورہ سے شہید کیا۔

شیخِ بزرگ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان بن شیخ احمد بن شیخ محمد ہادی بن امام الطّریقہ شیخ محمد عبید اللہ بن مجدّدِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنی مشہور و معروف تصنیف "روضۃ القیومیّہ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"دربیانِ سال ہژدہم از تجدیدِ الف و قیومیّت قیومِ اوّل مجدّدِ الفِ ثانی، طلبیدنِ وزیرِ ہند نوراللہ شوستری را کہ سرآمد علمائے شیعہ بود از ایران برائے ابتلائے سلطان و قتل کردن سلطان نوراللہ شوستری را باشارۂ آنحضرت۔

ہنگامۂ دینِ متین گرم گشت و مقدمۂ رشد و ارشاد بجلا پذیرفت وزیرِ ابلیس نظیر از مشاہدۂ ایں حال چوں دانۂ سپند بر آتش می سوخت اما ہیچ سعی او دریں باب پیش رفت نمی شد لاچار شد نوراللہ شوستری را کہ سرآمد روزگار بود در علمائے شیعہ بمبلغِ خطیر فرستاد بمنّتِ تمام از ایران طلبداشت چوں نوراللہ شوستری قریبِ لشکر رسید بسلطان گفت شخصے دریں لشکر می آید کہ در عالم ظاہر و باطن رئیسِ وقت خود است من بمنّتِ تمام از ایران طلبیدہ ام و بحدے تعریف او نمود کہ سلطان معتقد او گردید، وزیر با تمام کوکبۂ خود برائے استقبالِ او آمدہ و با عزازِ تمام نوراللہ را در آورد سلطان نیز عزّت و حرمتِ او بسیار کرد، اما در مجلسے کہ سلطان و حضرتِ قیّوم اول می بودند وے نمی رفت، نوراللہ اکثر اوقات پیشِ سلطان حاضر می بود از گفتۂ وزیر بقسمے اعتقاد نوراللہ در دل سلطان جا گرفت ہر چہ کہ در اُمورِ دینی می گفت سلطان آں را سندی

کرد۔ چوں وزیر دید کہ سخن او در دل سلطان اثر می کند مقرر نمود کہ فردا سلطان را کہ فرحت و مسرت او باشد در مذہب شیعۂ شنیعہ باید آورد۔ ہماں وقت از وے حکم باید گرفت کہ در تمام ممالکِ محروسۂ ہند ایں مذہب باطل را رواج دہند۔ شخصے از مریدان خاص حضرت قیّومِ اوّل ہمراہِ وزیر بود، وے ایں مصلحت را بجناب آنحضرت آمدہ عرض کرد۔ حضرت قیّوم یک مرید خود را کہ خدمت لباس پوشانیدن سلطان تعلّق با و داشت فرمودند کہ فردا چون لباس بسلطان بپوشانی از طرفِ ما پیغام خواہی رسانید کہ بے ملاقاتِ ما بار عام نخواہی کرد بلکہ ہیچ کس را پیشِ خود نخواہید گذاشت، سلطان اگر در فرحت و مسرت می بود لباسِ سفید می پوشید و بر خلق انعام و اکرام می نمود اگر در غضب می بود لباس سُرخ در بر می کرد و مردم را با نواع جور و ستم می رسانید، فردا چون در پیشِ سلطان برائے پوشانیدنِ لباس برفت سلطان لباس سفید را طلب داشت وے آہ سرد از دل پر درد کشید۔ سلطان گفت امروز روزِ فرحت و مسرت من است تو چرا غمگین ہستی؟ وے گفت زیادہ ازیں غم چہ خواہد شد کہ امروز بادشاہ از دینِ حق انحراف ورزید بدیں باطل می رود مذہب امیر تیمور صاحب قراں را گذاشتہ مذہبِ شاہ عباس را اختیار می کند۔ سلطان گفت باز گو ایں حکایت چگونہ است وے مصلحت وزیر را با نور اللہ شوستری بیان نمود و پیغام آنحضرت را نیز رسانید۔ سلطان ہماں وقت بخدمت قیومِ اوّل آمدہ با آنجناب خلوت کرد استفسار آں امر نمود، آں حضرت طلبیدن وزیر نور اللہ را از ایران و مذہب باطل او و مصلحت کردن وزیر با نور اللہ برائے

انحراف سلطان از دین حق ہمہ را بالشرح و لبسط بیان نمودند۔ سلطان بمجرد استماع این خبر در عقب رفتہ از پیش آنحضرت برآمدہ ہماں زماں لباس سُرخ پوشیدہ در بارِ عام کرد، نور اللہ شوستری را طلب داشت فیلِ مست را طلبیدہ نور اللہ شوستری را در پائے پیل انداختہ ہلاک ساخت، و دیگر کسانیکہ ہمراہ نور اللہ از ایران آمدہ بودند ہمہ را بالقتل رسانید۔ وزیر بعد وقوع ایں واقعہ سراسیمہ شدہ دودِ حسرت از دماغ برآمد و شیطان او را ورغلانید و لکد رجعت بر عقل کوتہ اندیش او زد از دین محمدی انحراف ورزید برائے رفعِ خفت خود از قتلِ نور اللہ شوستری بردم می گفت کہ مراخلق شیعہ می گویند اگر امام حسینؑ را بحضور من ذبح کردند مراحم نمی آمد اما گاہے کہ باز ہم خود را در اسلام میگرفت در مذہب تشیع خود رامی کشید نصاری فرنگ را طلب داشت کہ از شعبدہ بازی فرنگ سلطان را از دینِ اسلام منحرف گردانید۔" (روضۃ القیومیہ، قلمی، ورق ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، جواہر میوزیم کلکشن نمبر ۳۴ فارسیہ، مسلم یونیورسٹی لائبریری، علی گڑھ)

روضۃ القیومیہ کی متذکرہ بالا عبارت کا ترجمہ جس کو مجددی عالمِ اہلسنت نے مطبوعہ ترجمہ روضۃ القیومیہ میں کیا ہے، درج کیا جاتا ہے:۔

"تجدیدِ الف ثانی و قیومیت حضرت خزینۃ الرحمت حضرت قیوم اول مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اٹھارویں سال کا تذکرہ۔"

"جب دینِ اسلام کو حضرت قیومِ اوّل (مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ شریف سے زیب زینت حاصل ہوئی اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رواج ہوا اور ظلمت و بدعت ملیامیٹ ہوئی اور

مذہب کو پورا پورا رواج ہُوا اور حق اپنے مرکز پر آ ٹھہرا جیسا کہ آیۂ کریمہ سے ہے جاء الحقّ وزھق الباطل انّ الباطل کان زھوقا تو ہر ایک شہر قصبے اور گاؤں میں مسجدیں اور مدرسے بنائے گئے۔ اور ہر ایک مسجد میں ہزارہا لوگ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ بادشاہی لشکر کے ہزارہا آدمی آنجناب کے مُرید ہو گئے اور وہ تقلیدی لباس اُتار پایۂ تحقیق سے مشرّف ہُوئے، دینِ متین کی خوب گرم بازاری ہُوئی اور رشد و ارشاد کی ترقّی ہُوئی۔ یہ حالت دیکھ کر وزیرِ ابلیس نظیر جلا بھُنا جاتا تھا لیکن اس بارے میں اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ چنانچہ اُس کے گزشتہ سب منصوبے خاک میں مل گئے اس واسطے اس نے مجبور ہو کر علمائے شیعہ کے سردار نور اللہ شوستری کو ایران سے بڑا روپیہ دے کر منّت و سماجت سے منگوایا جب وہ لشکر کے قریب آیا تو وزیر نے بادشاہ کو کہا کہ اس لشکر میں ایک آدمی آرہا ہے جو ظاہر اور باطنی علوم میں اپنے زمانہ کا سردار ہے۔ میں نے بڑی منّت و سماجت سے اُسے ایران سے منگایا ہے۔ اُس کی اس قدر تعریف کی کہ بادشاہ و اُس کا وزیر لشکر سمیت اُس کے استقبال کے لیے گیا اور بڑی عزّت کے ساتھ اُسے لائے، بادشاہ بھی نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا لیکن جب مجلس میں بادشاہ اور حضرت قیّومِ اوّل شیخ احمد رضی اللہ عنہ ہوتے وہاں نہ جاتا، مگر بادشاہ کے ساتھ عموماً رہتا۔ بادشاہ کو وزیر کے کہنے سُننے سے نور اللہ پر ایسا اعتقاد ہُوا کہ جو کچھ وہ دینی معاملات میں کہتا بادشاہ اُسے بطورِ سَنَد جانتا۔ جب نامبارک وزیر نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ کے دل پر گہرا اثر کرتی ہے تو اس نے منصوبہ باندھا کہ کل

بادشاہ جس وقت خوشی کی حالت میں ہوگا تو بادشاہ کو شیعہ کر کے اُسی وقت مذہبِ شیعہ کے رواج کے لیے اُس سے حکم لکھوا لیں گے کہ تمام ممالکِ محروسہ میں اس کا رواج ہونا چاہیے۔ حضرت قیوّمِ اوّل (شیخ احمد) کا ایک خاص مُرید اُس وقت وزیر کے پاس موجود تھا۔ اُس نے وزیر کا یہ منصوبہ آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آنحضرت نے اپنے ایک مُرید کو جسے بادشاہ کو لباس پہنانے کی خدمت سپرد تھی، فرمایا کہ کل جس وقت بادشاہ لباس پہنے تو اس وقت ہماری طرف سے پیغام دینا کہ ہماری ملاقات کیے بغیر دربارِ عام نہ کرے بلکہ کسی کو بھی اپنے پاس نہ آنے دے۔ بادشاہ کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر خوشی میں ہوتا تو سفید لباس پہنتا اور لوگوں کو انعام و اکرام دیتا اور اگر ناراض ہوتا تو سُرخ لباس پہن کر لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا اور ظلم و ستم کرتا۔ جب آنحضرت رضی اللہ عنہ کا مُرید لباس پہنانے کے واسطے گیا تو بادشاہ نے سفید لباس طلب کیا، اس مُرید نے ٹھنڈا سانس لیا، بادشاہ نے پوچھا آج تو خوشی کا دن ہے تم کیوں غمگین ہو؟ اُس نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا غم ہوگا کہ آج ہمارا بادشاہ دینِ حق سے منحرف ہو کر دینِ باطل اختیار کرتا ہے۔ تیمور صاحب قِرآن کے مذہب کو چھوڑ کر شاہ عباس کا مذہب اختیار کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا ذرہ اس کی مفصّل کیفیت تو سمجھاؤ۔ اس نے وزیر کا نور اللہ شوستری سے مشورہ بیان کیا اور آنحضرت کا پیغام پہنچایا۔ بادشاہ اُسی وقت آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تخلیہ میں حاضرِ خدمت ہونے کی وجہ پوچھی۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وزیر نے نور اللہ

کو ایران سے محض اس خاطر منگوایا ہے کہ تمھیں اس دینِ حق سے منحرف کر کے اُس باطل مذہب میں لے جائے۔ یہ ساری کیفیت مفصّل بیان فرمائی سلطان سُنتے ہی سخت طیش میں آیا۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت سے جا کر فوراً سُرخ لباس پہنا، دربارِ عام کیا اور نور اللہ شوستری کو بلوایا اور مست ہاتھی منگوا کر اس کے پاؤں تلے روندوا ڈالا اور جو لوگ نور اللہ کے ساتھ ایران سے آئے تھے سب کو قتل کروا دیا، وزیر اس وقوعہ کے بعد سخت پریشان ہُوا اور جل بھُن گیا۔ شیطان نے اُسے ورغلایا اور اس نے کوتہ اندیش عقل پر بھروسہ کر کے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کیا اور اپنی سُبکی کو دُور کرنے کے لیے لوگوں کو کہا کہ مجھے ناحق شیعہ کہتے ہیں۔ اگر امام حسینؑ کو میرے سامنے ذبح کریں تو مجھے رحم نہ آئے لیکن جب اسلام کے متعلق کوئی بات ہوتی تو اپنے آپ کو شیعہ ہی کا طرفدار ظاہر کرتا، اس چال سے ناکام ہو کر اس نے عیسائیوں کو یورپ سے منگایا تاکہ اُن کی شعبدہ بازی سے بادشاہ دینِ اسلام سے منحرف ہو جائے۔"

(اُردو ترجمہ روضۃ القیومیّہ رکن اول صفحات ۱۹۹، ۲۰۰، ۱۷۱ مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس، لاہور، مطبوعہ ۱۳۲۵ھ)

المختصر جہانگیر کے قہر و ظلم سے کچھ بعید نہیں کہ آپ کی شہادت کے سلسلہ میں پہلے پشتِ مبارک پر آہنی خاردار دُرّے لگائے گئے۔ اُس کے بعد گُدّی سے زبانِ حق ترجمان کو نکلوایا گیا اور پھر مست ہاتھی کے پیروں سے جسم مبارک کو کچلوا دیا گیا ہو جس کو مختلف مؤرّخین نے اسبابِ شہادت میں الگ الگ اپنے مُصنّفات میں ذکر کیا ہے۔ شیخ سرہندی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ جناب شہیدِ ثالث ہی نہیں شہید کیے گئے بلکہ آپ کے ہمراہ جتنے ایرانی آئے تھے۔

اُن سب کو بھی شہید کر ڈالا گیا۔ ولیس ھٰذا اوّل قارورۃٍ کسرت فی الاسلام فانّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون وسیعلموا الّذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون۔

اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قاضی نوراللہ شوستری موالف و مخالف کسی سے بھی اپنی شیعیت کو نہیں پوشیدہ رکھتے تھے اور مصالح شرعیّہ کی بنا پر اپنے لیے تقیّہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور یہ کہ آپ کی شہادت جہانگیر کے حکم سے صرف شیعہ ہونے ہی کی وجہ سے ہوئی اس کے علاوہ کوئی دُوسرا سبب نہ تھا اس لیے کسی تذکرہ نویس کا یہ لکھ دینا کہ ایک مرتبہ جہانگیر نے آپ سے یہ پُوچھا کہ آپ کا کیا مذہب ہے؟ آپ نے اپنے کو سُنّی ہونا ظاہر کیا۔ اس دروغ بیانی پر بادشاہ نے کوڑے کی سزا کا مستحق سمجھا جس کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہُوئی، ازروئے درایت اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ بالکل دروغ بے فروغ ہے۔ صرف جہانگیر کے ظلم کو ہلکا کرنے کے لیے یہ بے سروپا بات گڑھی گئی ہے۔ کیونکہ معتبر اسناد سے یہ امر واضح وروشن ہے کہ شہیدؒ نے ہندوستان میں اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھنے کے لیے کبھی بھی تقیّہ نہیں کیا بلکہ وہ علانیہ اپنے کو شیعۂ امامیہ ظاہر کرتے رہے جس سے خود اکبر، جہانگیر، اہل دربار، معاصر مؤرخین، علماء، شعراء، ہر ایک ان کے شیعہ ہونے سے اچھی طرح واقف و باخبر تھا۔ مذہب کی پوچھ گچھ اس سے کی جاتی ہے جس کے مذہب سے واقفیت نہیں ہوتی۔ قاضی نوراللہ شوستری نہ صرف شیعہ، بلکہ شیعہ گر ہونے کی حیثیت سے ہر دور میں جانے پہچانے گئے ہیں۔

قطعاتِ تاریخ شہادت

عہدِ شاہجہان بادشاہ کے مشہور بزرگ شاہ مظہرالحق ابوعبداللہ محمد فاضل ترمذی اکبر

آبادی متوفی ۱۰۶۰ھ نے مخبر الواصلین (اس نام سے سال تالیف نکلتا ہے) تصنیف فرمائی۔
آپ نے شہید ثالثؒ کی تاریخ شہادت میں چند قطعات تالیف فرمائے ہیں جو قابلِ ملاحظہ ہیں،
فرماتے ہیں :۔ ؎

میر نوراللہ عالی انتساب
زیں زمانہ با دلِ آگہ شد۔
سال قتلش مظہر الحق زد رقم
عدل جائے میر نوراللہ شدہ

اس قطعہ کے پہلے اور چوتھے مصرعہ میں جناب شہیدؒ کے نام کو ظاہر کیا ہے اور مصرعۂ دوم میں اٹھارہ حرف ہیں جن کی تعداد سے قمری ماہ کی ۱۸ تاریخ نکلتی ہے اور مصرعۂ سوم کے پہلے دو لفظ "سال قتلش" میں سات حروف ہیں جن سے ہفتہ کا ساتواں دن جمعہ مراد ہے اور درمیان سے مصنّف کے نام مظہر الحق کو چھوڑ "زد رقم" میں پانچ حرف ہیں جن سے سال کا پانچواں مہینہ جمادی الآخر مراد ہے اور مصرعۂ چہارم سے سالِ شہادت ۱۰۱۹ھ نکلتا ہے۔

مخبر الواصلین کا دوسرا قطعہ یہ ہے جس میں آپ کو شہید راہ خدا بتلایا ہے۔ ؎

میر عالی جناب نوراللہ
بود نیکو خصال و نیک سرشت
سالِ ترحیل آں شہیدِ خدا
شد رقم "نورِ ماہِ اوجِ بہشت"

۱۰۱۹ھ

موصوف کا تیسرا قطعہ یہ ہے :۔

سالِ تاریخ قتل آں خوشرو

ازجہاں نور رفت وائے بگو

میر نوراللہ چو شد محوِ حق

سال قتلش خواستم از قلب خود

گفت قلبم سالِ قتل او بگو

"میر نوراللہ زیب عدن شد"

۱۰۱۹

(مجمع الواصلین ص ۹۱، ۹۲ مطبوعہ ۱۲۴۹ھ چھاپ سربی)

اسی طرح "سیّد نوراللہ شہید شد" اور "افضل العباد" سے سال شہادت نکلتا ہے۔

ذیل کا قطعۂ تاریخ آپ کے فرزند میر علاء الملک کا ہے۔

سر اکابرِ آفاق میر نوراللہ

سپہرِ فضل و، وحیدِ زمانہ، پاک سرشت

بنیمۂ شبِ ہشت ودہ جمادِ دوم

ازیں خرابہ رواں شد بسوئے قصرِ بہشت

چو دل ز فکرِ طلب کرد سال تاریخش

خرد بصفحۂ دہر "افضل العباد" نوشت

سنہ ۱۰۱۹ھ

بہرحال مبتلائے بلائے صبر شہید علیہ الرحمہ نے ۱۸ رجمادی الاخریٰ ۱۰۱۹ھ یوم جمعہ مطابق ۷ ستمبر ۱۶۱۰ء کو مرتبۂ شہادت حاصل کیا۔ آپ کے فرزند کے قطعہ میں "بہ نیمۂ شب" کی وضاحت

ہے جس سے وقتِ شہادت کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ سلاطین اکثر اپنے رنگ رلیوں کے لیے شب کو اپنے لیے دن بنا لیتے تھے اور اسی بنا پر امیر معاویہ نے اپنے شرابی و رقاص بیٹے یزید کو سمجھایا تھا کہ "فانّ اللّیل نہار للاریب" سمجھدار کے لیے رات بمنزل دن ہے کہ عیش و طرب اور شراب و رقص کے لیے مناسب ترین اوقات میں سے ہے۔ شرابی جہانگیر بھی رات ہی میں مشغولِ نغمہ و طرب و مے نوشی ہُوا کرتا تھا اس لیے ممکن ہے کہ نصف شب ہی میں آپ کو دربار میں طلب کر کے شہید کر دیا ہو، شب ہی میں لاش مبارک کو شہر سے باہر جنگل میں ڈال دیا گیا ہو۔ غربت و بے کسی کی موت ہی اندوہناک ہے لیکن ظلم و ستم کے ساتھ قتل کر کے لاشِ مقدّس کو شہر سے باہر جنگل میں بے غسل و کفن ڈال دینا ستم بالائے ستم ہے۔ اسی غیر آباد اور سنسان مقام پر اہلِ ولا نے کئی دن کے بعد جب سلطانِ ظالم نے اجازت دے دی دفن کر دیا اور قبر کی مجاوری خود شہیدؒ کے فرزند خلف الصّدق شریف الحسینی شرفہ اللہ تعالیٰ کرتے رہے۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ پنجم ماہ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ کو یہ بھی راہیِ جنّت ہُوئے اور اپنے پدر بزرگوار کے جوار میں آرام فرمایا۔

(محفل فردوس)

ذکاوت و لطائف

چند لطائف اجوبہ جو آپ کی ذکاوت و سرعت فہم پر دال ہیں، ملاحظہ کیجیے:

(۱) جنابِ شہیدؒ کے بچپنے اور طالب علمی کا ایک واقعہ جو آپ کی ذکاوت و فطانت پر دلیل ہے قابلِ ذکر ہے۔ جب سیّد فاضل عزّالدین فضل اللہ یزدی حج سے مشرف ہو کر واپس ہُوئے اور آپ کے چچا میر اسد اللہ صدر کی خدمت میں حاضر ہُوئے، اس موقع پر جناب

شہیدؒ بھی چچا کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ سید مذکور نے اپنے سفرِ حج کے واقعات بیان کیے۔ دورانِ گفتگو میں سید یزدی نے شیخ ابوالحسن البکری الشافعی کے فضل و کمال کی بھی تعریف کی جو حجاز کے بڑے علماء میں سے تھے۔ سیدؒ موصوف نے بتلایا کہ مجھے اُن سے اکثر مذہب اہلسنّت و شیعہ کے مشکلاتِ شرعیّہ کو بھی دریافت کرنے کا اتّفاق ہُوا اور موصوف نے ہر ایک مسئلہ کا لطیف جواب دیا۔ ایک مرتبہ میں نے اُن سے یہ بھی سوال کیا کہ انبیاء اپنے زمانۂ بعثت سے قبل اور اُس کے بعد ہر زمانے میں معصوم تھے حالانکہ بعثت سے قبل دین و شریعت نہ تھی کہ جس کے وہ مکلّف ہوتے۔ شیخ شافعی نے جواب دیا کہ اس سے شیعوں کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سلامتِ فطرت و پاکیزگی طینت کی اس منزل پر فائز تھے کہ اگر قبل بعثت کوئی شریعت ہوتی تو اُن سے کوئی خلافِ شرع فعل سرزد نہ ہوتا۔ جناب شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اُس وقت باوجودیکہ میں کمسن تھا اور "ہدایۃ الحکمۃ" ایسی ابتدائی کتاب پڑھتا تھا مگر میرے دل میں فوراً اس سے بہتر جواب آیا اور اس کا جواب دینے کے لیے اتنا بے چین ہُوا کہ خاموش نہ رہ سکا اور اپنے عمِ معظّم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے شیعہ اس جواب کے محتاج نہیں ہیں جس کو کہ شیخ اہلِ سنّت نے پیش کیا ہے کیونکہ شیعۂ امامیہ کے اصل اصول میں یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی ہے۔ اس لیے قاعدۂ حسن و قبح کی بنا پر تکلیف ساقط نہیں ہے بلکہ ہر حال میں مواخذہ ہے۔ ایک بچّے سے یہ جواب سُن کر فاضل یزدی اور جناب صدر بہت خوش ہُوئے اور فہم و ذکا کی داد دینے لگے۔ (محفل فردوس علاء الملک ص ۲۶)

(۲) مُلّا عصمت اللہ لاہوری جو اپنے زمانے کے مشاہیر علمائے اہلسنّت سے تھے۔ ایک روز لاہور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہنے لگے کہ آیۂ کریمہ "اذا بلغت الحلقوم" اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رُوح جسم ہے کیونکہ اگر مجرّد ہوتی تو حلقوم تک اس کا پہنچنا کوئی

معنیٰ نہیں رکھتا۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ اس آیت سے ماقبل لفظ رُوح مذکور نہیں ہے جس کی طرف "بَلَغَتْ" کی ضمیر مستتر راجع ہو بلکہ ظاہر آیت اس پر مدلول ہے کہ ضمیر "القلوب" کی طرف راجع ہے جیسا کہ ایک دُوسری آیت "بلغت القلوب الحناجر" میں واقع ہے۔ اس جوابِ لطیف کو سُن کر مُلّا لاہوری مبہوت ہو گئے۔

(۳) چلپی تبریزی جو صوفیاء کے فرقۂ خاکیہ سے تعلق رکھتے تھے اور کمالِ علم کی شہرت کی وجہ سے علّامۂ وقت سمجھے جاتے تھے اور اکبرِ اعظم بھی اُن کا بڑا احترام کرتا تھا۔ انھوں نے "تَنَاهِیِ اَبْعَاد" پر ایک رسالہ لکھا اور اپنے خیال میں اس مطلوب پر بُرہان و دلیل قائم کر دی۔ شہیدؒ کی نظر سے بھی یہ رسالہ گزرا۔ آپ نے اُن کے بُرہان کی رَد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ چلپی کی نظر سے جب آپ کے ایراد گزرے تو وہ اُن کے جوابات دینے سے عاجز ہو گئے لیکن اُن کو آپ کے خلاف اکبرِ اعظم سے شکایت کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ یہ کہ آپ نے اس رسالہ میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ "قال اجلاف الخاکیہ" چلپی نے بادشاہ سے شکوہ کیا کہ نور اللہ شوستری نے انھیں اجلاف میں شمار کیا ہے۔ بادشاہ نے آپ کو دربار میں طلب کیا اور کہا آپ کو یہ مناسب نہ تھا کہ چلپی کی شان میں لفظِ اجلاف کو آپ استعمال کریں۔ آپ نے بڑے اطمینان و سکون سے جواب دیا کہ فاضل چلپی نے "اَخلاف" کو "اَجلاف" پڑھا ہے اور اپنے قصورِ فہم سے خود کو اجلاف میں داخل کر کے خواہ مخواہ میرے خلاف حرفِ شکایت زبان پر لائے۔ اس معقول جواب سے شہنشاہ خاموش و مطمئن ہو گیا اور فاضل چلپی کو ذلّت نصیب ہوئی۔

(۴) عہدِ اکبری میں ایک مرتبہ شیخ فیضی کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ اتّفاق سے مُلّا عبد القادر بھی وہاں موجود تھے۔ مُلّا صاحب آپ کے تشیّع کا تو علم رکھتے تھے اس لیے "چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد" پر عمل کرتے ہُوئے آپ سے بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ باتوں

باتوں میں آیۂ غار" اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" موضوعِ بحث بن گئی فیمابین بہت دیر تک مناظرہ ہُوا۔ آپ نے اس امر پر استدلال فرمایا کہ یہ آیت خلیفۂ اول کی مدح پر دلالت نہیں کرتی ہے، کیونکہ صحبت سے لغوی معنی متبادر ہوتے ہیں معنی اصطلاحی جس کو بعد میں علمائے اصولِ حدیث نے وضع کیا ہے۔ اس پر دلالت نہیں کرتا جناب شہیدؒ نے اس پر دلائل و براہین پیش کیے تو مُلّا بدایونی نے آپ کے دلائل سے عاجز ہو کر اپنی حمایت و تائید میں اہلسنّت کی مشہور تفسیر نیشاپوری کو پیش کیا جس میں وہی استدلال تھا جو بدایونی پیش کر چکے تھے اور جناب شہیدؒ نے اس محفل میں استدلال کی رکاکت و سخافت کو اس طرح ظاہر فرما دیا کہ "فیضی" نے بقول بدایونی "بنا بر عادتِ زشتِ خویش" با وجودیکہ از ہر دو جانب بیگانۂ مطلق بود" جناب شہیدؒ کے استدلال کو صحیح بتلا کر آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ یہ آیت فضیلتِ خلیفہ پر دلالت نہیں کرتی۔ جناب شہیدؒ نے بعد میں اس تمام بحث کو اپنے رسالہ کشف العوار فی تفسیر آیۃ الغار" میں تحریر فرما دیا جس میں آپ نے مفسّر نیشاپوری کے کلام اور بدایونی کی بحث کو رَد فرمایا ہے۔

اس موضوع پر مجالس المومنین میں آپ نے "لمؤلفہ" لکھ کر اپنے ایک شعر کو تحریر فرمایا ہے۔

بس کن حدیث غار کہ خارست نزد عقل

آں حُزن و بے قراری شیخ معمّرم

(مجالس المومنین مجلس ششم ص ۲۹۸ چاپ ایران)

جامعیّت

جناب شہیدؒ نے صرف تفسیر و حدیث فقہ و اصول اور مباحث کلامیہ ہی پر تصنیف و

تالیف نہیں فرمائی بلکہ آپ نے فلسفہ و منطق، ہندسہ و ہیئت اقلیدس اور جبر و مقابلہ و دیگر علوم معقولات پر بھی کتابیں تالیف فرمائیں۔ اسی طرح علوم و فنون ادبیہ، معانی و بیان، قواعد و انشاء پر بھی آپ کے تالیفات مفیدہ موجود ہیں جیسا کہ آپ کی فہرست مصنفات سے ظاہر ہے۔ علم طب میں بھی آپ جواب نہیں رکھتے تھے۔ آپ کے زمانے کا مشہور شاعر مجدّد طرزِ انوری و فردوسی مولانا قوسی تستری نے آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ نظم کیا تھا جس کا پہلا مطلع یہ ہے ؎

چناں زمانہ ز اربابِ فضل دارد عار
کہ علم را نبود جز بجہل استظہار

مولانا قوسی کے اس قصیدہ سے آپ کے جامع العلوم ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ بقدر ضرورت کچھ اشعار اس قصیدہ کے یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

مُسبّحانِ زوایائے ایں کبود حصار
ز بامِ عرش ندامی کنند لیل و نہار
کہ باد تا ابد اندر پناہ فضلِ خدائے
سرِ صدورِ افاضل ز عمر برخوردار
خلیلؑ خلق و مسیحؑا دم و کلیمؑ قدم
فرشتہ طینت و یوسفؑ خصال و خضر شعار
سحاب چرخ، شکوہ آفتاب، کیواں قدر
محیط کوہ، وقار آسمان، بحر ایثار
جمالِ چہرۂ دیں، نورِ دیدۂ اسلام

سپہر فضل و معالی، جہانِ حلم و وقار
فروغِ نورِ آلٰہی امیر نورُاللہ

کہ دانش از دل او مستفی است لیل و نہار
زہے ضمیرِ تو خورشیدِ عالمِ اسرار

کمال پیشِ کمالِ تو ناتمام عیار
سپہر دستِ ترا گفتہ دجلۂ موّاج

زمانہ طبعِ ترا خواندہ قلزمِ زخّار
جہاں بمہر تو مشغوف و تا ابد مشغوف

خدا ز خصمِ تو بیزار و از ازل بیزار
تو علّتی و فنونِ فضائلت معلول

تو مرکزی و فحولِ افاضلت پرکار
زہے مدارجِ قدرت بروں ز حدِّ قیاس

زہے مکارمِ ذاتت فزوں ز حدِّ شمار
دلِ علیم تو انواعِ فضل را جامع

کفِ کریم تو میزانِ جود را معیار
کفت بصورت ابرے بود کہ بر سرِ خلق

بجائے باران بارد ہمہ دُرِ شہوار
دلت بمعنی بحرے بود کہ ہر موجش

جہاں جہان گہرِ حکمت افگند بکنار

استقامت رائے واصابتِ نظرت

اگر مدّون منطق شدے دلیل گزار

چناں وجوہِ خطا گشتی از ضمیرش محو

کہ وضع منطق ازو یافتی برفعِ قرار

زلبسکہ ہست ترا در فضائل استطلاع

زلبسکہ ہست ترا در مسائل استحضار

زفیضِ علمِ حصولی رسیدہ کار باں

کہ نخلِ ذہن تو علمِ حضوری آرد بار

ترا بہندسہ و ہیئت آں تبحرّ ہست

کہ گر کنی بزمیں ہیئتِ سپہر نگار

بسے عجب بنود از کمالِ جنسیّت

کہ چوں فلک مترتّب شود براں آثار

زلبس فروعِ تو ہست از اُصول مستنبط

زلبس اصول تو باحجّت است و برہاں بار

بدیہتہ پئے حلِّ کلام و بسط مقام

چو معضلاتِ مسائل کنندت استفسار

دلیلِ عقلی و نقلی چہار مذہب را

کنی چو حجّتِ فوری و ظاہری اظہار

تو چوں بیان معانی کنی بلفظِ بدیع

کنند "اعشی" و "سحبان" بباقلی اقرار

ستائشِ تو بطب گرچہ دونِ رتبۂ تست
اگر ہمی نکنم نیست جائے استعذار

کہ کس ادا نکند خاصہ در مقامِ ثنا
کہ آفتاب منیر است و آسماں سیّار

اگرچہ ملتفتِ طب نہ ای ولے بمثل
اگر خیالِ تو در خواب بنگرد بیمار

خواصِ یُمن قدوم تو در لباسِ خیال
صحیح و سالم از خواب سازدش بیدار

ز منشآت تو "صابی" و "صاحب" از حیرت
بخود فرو شدہ مانند صورتِ دیوار

مصنّفاتِ تو ہر یک ز شرعی و حکمی
جمالِ شاہد تصنیف راست خالِ عذار

سپہر منزلتا بندہ را بآں درگاہ
کہ ہست کعبۂ اخیار و قبلۂ ابرار

عقیدہ ایست کزیں پیش داشتند مگر
بخاندانِ نبوّت مہاجر و انصار

بخدمتِ تو ز اخلاص غائبانۂ خویش
اگر شروع نمایم بعشری از معشار

ہزار فقرہ دراں باب طے شود کہ ہنوز

بیاں نگردد ازاں مدعا یکے ز ہزار

(ص ۸۰، ۸۱، ۸۲ محفل فردوس، بقدر الحاجہ)

شاعری

جناب شہیدؒ صرف عربی و فارسی کے بہترین نثر نگار ہی نہیں تھے بلکہ آپ سخنور جادُو بیاں بھی تھے جیسا کہ مولانا قوسی نے متذکرہ قصیدہ میں کہا ہے۔ ؎

کہ اے سخنورِ جادو بیاں عفاک اللہ

کہ ختم شد بزبانِ تو نوبتِ گفتار

علامہ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہُوئے لکھا ہے "طبع نظمے دارد و اشعار دلنشین گوید" علی قلی والہ داغستانی ریاض الشعراء میں تبلاتا ہے: "در فن شاعری کمالِ قدرت و مہارت داشتہ" اسی طرح تذکرہ مخزن الغرائب میں ہے: "دگاہے بصفائے ذہن شعر می گفتند و نوری تخلص داشتند" تذکرہ مجمع الخواص میں ہے: "طبع بسیار خوبے دارد" مُلّا عبداللہ آفندی ریاض العلماء میں لکھتے ہیں:۔

"فاضل عالم دین صالح علامۃ فقیہ محدث بصیر بالسّیر والتّواریخ جامع الفضائل ناقد فی شعر ولہ ید فی النّظم بالفارسیّۃ والعربیّہ ولہ اشعار وقصائد فی مدح الائمۃ علیھم السّلام مشھورۃ وان لہ دیوان شعرہ"

"آپ عالم، فاضل، متدیّن، نیکوکار، فقیہ، محدّث، سیر و تاریخ کے ماہر جامع

فضائل اور ہر علم میں ناقدانہ نظر رکھنے والے، انشا پرداز شاعر تھے۔ انشا نگاری و شعر گوئی میں بہترین تھے۔ فارسی و عربی دونوں زبانوں کے باکمال شاعر تھے۔ ائمۂ معصومین علیہم السلام کی منقبت میں آپ کے اشعار و قصائد ہیں۔ آپ کے اشعار کا ایک دیوان ہے۔"

آپ کے فرزند میر علاء الملک نے محفلِ فردوس میں آپ کے مصنّفات و مؤلفات کے ضمن میں آپ کے دیوان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مقام پر آپ کے کچھ اشعار تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں۔ محفل فردوس میں بعدِ ذکرِ دیوانِ قصائد لکھتے ہیں: "واز قصائد ایشاں یک قصیدہ جہت تزئین ایں فردوس دریں مقام نگارش می نماید" اس قصیدہ کی تشبیب کے کچھ اشعار جو شدّتِ سرما سے متعلق ہیں، ملاحظہ ہوں:-

زسرد مہری و دم سردی شتا و شمال
سحاب قاقم برف افگند بدوشِ جبال

ہوا ز ابر برافگند نیلگوں برقع
زمیں ز برف بپوشید سیمگوں سربال

بسیطِ چرخ نہاں گشت از غبار بخار
محیطِ آب چو سیم آمد از نسیمِ شمال

قیامتے شدہ القصّہ وز برف درو
ہزار رقعہ برآں ہمچو نامۂ اعمال

چناں بسیط زمین بستہ یخ کہ ہمچو فلک
بود برونش ازیں خرق و التیام محال

چناں شد آب ز سرما کہ عکسِ شخص زبیم
بصد فسوں نہند پا درون آبِ زلال

ز کار رفتہ چناں دست رامی گردوں
کہ عاجز است ززہ کردن کمان ہلال

فسردہ گشت طبائع چناں ز سردی دَے
کہ جذب نم نکند آب نارسیدۂ سفال

مگو ز سردیِ دے مُرد عنصرِ آتش
کہ ہمچو ماتمیاں شد سیاہ پوش زغال

اگر نہ مہر شہنشاہ راز جاں سازند
نیاورند زارحام سر بروں اطفال

شہِ سریرِ ولایت، علیؑ عالی قدر
کہ کنہِ او نشناسد جزا ایزدِ مُتعال

(محفلِ فردوس، ص ۳۲، ۳۳)

جنابِ شہیدؒ کا ایک معرکۃ الآراء قصیدہ مشہور شاعر حسن غزنوی کے قصیدے کے جواب میں ہے۔ یہ وہ قصیدہ ہے کہ جس کے بعض اشعار اکثر تذکروں میں ملتے ہیں اور دیوانِ قصائد میں مکمل ہے۔ تقی اوحدی بلیانی نے اپنے "تذکرۂ عرفات العاشقین" میں ساٹھ اشعار اس قصیدہ کے نقل کیے ہیں۔ میں ریاض الشعراء، والہ داغستانی و مخزن الغرائب سندیلوی سے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔

جنابِ شہید فرماتے ہیں: ۔

شکرِ خدا کہ نورِ الٰہی است رہبرم
وز نارِ شوقِ اوست فروزندہ گوہرم
اندر حسب خلاصۂ معنی و صورتم
اندر نسب سُلالۂ زہرؑا و حیدرم
دارائے دھر سبطِ رسولم بُوَد پدر
بانوے شہر دختر کسریٰ است مادرم
ہاں اے فلک! چو ایں پدرانم یکے بیار
یا سر بہ بندگی نہ و آزادزی برم
شُکرِ خدا کہ چوں حسنِ غزنوی نیم
یعنی نہ عاق والد و ننگ مادرم
بادم زباں بُریدہ چوں آں ناخلف اگر
مدحِ مخالفانِ علیؑ برزباں برم
داند جہاں کہ او بدروغش گواہ ساخت
ور آنکہ گفت قرّۃ عین پیمبرؐم
شائستہ نیست آں ہم ازاں ناخلف کہ گفت
شائستہ میوۂ دل زہرؑا و حیدرم
اندر جواب او کہ سوال از رجال کرد
ننگ آیدم کہ گویم اینک من ایدرم
فرزند را کہ طبعِ پدر در نہاد نیست

پاکیِ ذیل مادر او نیست باورم

(ولہ)

عشقِ تو نہال است کہ خواری ثمر اوست
من خاری ازاں بادیہ ام کیں شجر اوست
بر مائدۂ عشق اگر روزہ کشائی
ہشدار کہ صد گونہ بلاہا خضر اوست
وہ کیں شبِ ہجراں تو بر ما چہ دراز است
گوئی کہ مگر صبحِ قیامت سحر اوست
فرہاد صفت ایں ہمہ جاں کندنِ نوری
در کوہِ ملامت بہوائے کمر اوست

(ولہ)

غیر را گستاخ در عرضِ تمنا کردہ ای
بس کہ آں خودکام با او لطف پیدا کردہ ای
شکرِ فیضِ عشق کن نوری کہ از امدادِ او
آشنائی با خیالِ دوست پیدا کردہ ای
شکوہ از خواری مکن نازک مزاجی برطرف
عزتت ایں بس کہ در پیشِ سگش جا کردہ ای

(ولہ)

گر نہ جاں بگذری اے دل شوی آسودہ دل

این قدر ہمتِ عالی نہ تو داری ونہ من

(ولــہ)

اے در سرِ زلف تو صد فتنہ بخواب اندر

در عشق تو حالِ من نقشیست بآب اندر

(ولــہ)

می برد نوری از تہی دستی   تحفۂ یار شرمسار یہا

(ولــہ)

خوش پریشاں شدۂ با تو نگفتم نوریؔ

آفتے ایں سرو سامانِ تو دارد در پے

جنابِ شہیدؒ کی اولاد و احفاد

سیّد شریف جناب شہید علیہ الرحمہ کے متعدد صاحبزادگان تھے جو سب کے سب اپنے زمانے کے علماء و فضلا میں تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام اپنے دادا کے نام پر سید شریف تھا۔ یہی وہ فرزند ہیں جو اپنے پدرِ شفیق سے جُدا رہ کر عرصہ تک دارالعلم شیراز میں مقیم رہے۔ انھیں کے متعلق جناب شہید کی یہ دلی تمنّا ہے:۔

"ہمیشہ مترصّد است کہ فرزندِ شریف فارسِ میدانِ فضل و مصدوقہ لو کان العلم بالثّریا لنالہ رجال من فارس گردد (بیاض نواب عنایت خاں راسخ ورق ۱۹ قلمی)

(ترجمہ) فرزند شریف میری تمنّا یہی ہے کہ تم شہسوارِ میدانِ فضل ہو اور یہ حدیثِ پیغمبر تم پر صادق آئے کہ اگر علم ثریّا پر بھی معلّق ہو تو مردانِ ایران اس کو حاصل کرلیں گے۔"

جب ۲۲ سال کی عمر میں تکمیلِ علم کر کے مرتبۂ اجتہاد تک پہنچے تو اُن کو جناب شہیدؒ نے یہ لکھا:۔

"وظیفۂ آں فرزندِ ارجمند آنکہ از روی جد بمطالعہ و مباحثہ پرداز دو اقل مرتبہ تا دو سال اُمورِ دنیوی و داعیۂ ملازمتِ سلاطینِ زمان خاطر را مشغول نہ سازد کہ

بعد از وصول مرتبۂ کمال و تجلّی پُر نور فضل و افضال مطالب دنیوی باندک توجّہے میسّر خواہد شد ے

تو گوہر شو کہ خواہند و نخواہند
نشانندت ہمہ بر تاجِ زرّیں

(بیاض نواب عنایت خاں راسخ ورق ۹۳ قلمی)

(ترجمہ) "اب فرزندِ ارجمند کے لیے ضروری ہے کہ بڑے انہماک کے ساتھ مطالعہ و مباحثہ میں مشغول ہو جائیں اور کم از کم دو سال تک دنیاوی امور میں مشغول نہ ہوں اور نہ سلاطینِ وقت سے ربط ضبط رکھنے کی فکر میں مبتلا ہوں۔ یہ خیال رہے کہ علم و فضل کے زیور سے آراستہ ہونے اور مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے بعد یہ سب کچھ ذرا سی توجہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ تم مثل گوہر نایاب ہو جاؤ۔ تاجور اپنے زرّیں تاج کو گوہر سے آراستہ کرنے کے لیے مجبور ہوں گے"۔

فرزند رشید نے پدرِ شفیق کی نصیحت پر عمل کیا، نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ مبارک دن آ ہی گیا کہ ان کے فضل و کمال کی شہرت سُن کر شہنشاہِ ایران نے اپنے دربار میں ان کو باریاب کیا جب ایک سال بعد جناب شہیدؒ کو اس کی خبر ملی آپ نے اپنے فرزند کو لکھا:۔

"خواجہ شرف بیگ شوستری دریں ولا از جانب ایران بلاہور رسید و بزبانی ایں خبر جاں پروری رساند کہ آں فرزند در سالِ گذشتہ باتفاقِ خواجہ تاشاں سعادت و اقبال بشرف زمیں بوس درگاہ جہاں پناہ بادشاہ ایران تخت ایمانِ کلاہ شاہنشاہی قبلہ گاہی رسیدہ و منظورِ نظر کیمیا آثار گردیدہ لاجرم سجدات شکر الٰہی و دعائی دوام دولت ابد پیوند حضرت شاہنشاہی بجا آورد" (حوالہ سابق الذکر ورق ۹۳)

(ترجمہ) ”اس زمانہ میں خواجہ شرف بیگ شوستری ایران سے لاہور وارد ہوئے
اُن کی زبانی یہ خوشی کی خبر سُنی کہ گزشتہ سال تمھیں شہنشاہِ ایران کی حضوری کا شرف
حاصل ہُوا اور بادشاہ کے منظورِ نظر کیمیا اثر ہوئے۔ یہ سُن کر میں نے شکرِ الٰہی کے
سجدے کیے اور دوامِ دولت شاہنشاہی کی دعائیں مانگیں۔“

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جناب شہید اپنے فرزندِ اکبر کو بہت دوست رکھتے تھے اور اُن کی
دُوری و مہجوری اور صدمۂ فراق سے بہت کبیدہ خاطر و غمگین رہا کرتے تھے جس کا اظہار اپنے فرزند
کے خطوط میں بار بار کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”اے بے تو حرام زندگانی
خود بے تو کدام زندگانی
بے روی خوش تو زندہ بودن
مرگیست بنام زندگانی

حقّا کہ از شدّتِ آلام مفارقتِ فرزند ارجمند سعادت مند شرّفہ اللہ بطاعتہٖ زندگانی بریں دل خجستہ مستہام حرام بلکہ زندگی مرگیست کہ زندگانیش نام گشتہ ؎

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست
زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

امید کہ عنقریب مسبّب الاسباب سببے انگیزد کہ زلال وصالِ آں فرزندِ حمیدہ خصال زندگی از سرگیرد و نہال پژمردۂ حیات سمت نضارت و تازگی پذیرد و السّائل من الکریم لا یُخیَّب“۔ (حوالہ سابق الذکر ورق ۹۳ ب)

"اے فرزند بغیر تمھارے زندگی بے مزہ اور حرام ہے۔ دراصل جب تم قریب نہیں زندگی بھی نہیں بغیر تمھارے خوبصورت چہرہ کو دیکھے زندگی دشوار ہے۔ یہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے جس کو غلطی سے زندگی کہنے لگے ہیں۔ بخدا فرزند ارجمند سعادت مند شریف" خدا اس کو اپنی اطاعت کا شرف بخشے۔ اُس کی جدائی اور فراق کے سخت صدمے اور انتہائی الم کی وجہ سے اس نحیف و زار و غمگین و ستم رسیدہ پر زندگی حرام ہے بلکہ یہ مرگ ہے جس کا نام زندگی رکھ دیا گیا ہے۔ اس لیے میری حیات کو زندگانی نہ کہنا چاہیے۔ دراصل، زندہ وہ ہے جس کو وصالِ دوست حاصل ہو، اُمید ہے کہ مسبّب الاسباب جلد کوئی سبب پیدا کرے کہ فرزند نیک خصال کی ملاقات سے مجھے تازہ حیات ملے اور میرے نہالِ پژمردہ میں از سرِ نو تر و تازگی و آثارِ زندگانی پیدا ہو جائیں۔ بارگاہِ کریم سے سائل کبھی خالی ہاتھ نہیں پلٹتا۔"

بظاہر جناب شہیدؒ کی دلی تمنّا وصالِ پسر، بر آئی اور محبوب فرزند اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں ایران سے آگرہ آگیا، مہ لقا فرزند کے دیدار سے باپ کے جان میں جان آئی، آنکھیں روشن ہوئیں لیکن بہت جلد شفیق باپ کی شہادت کی وجہ سے بیٹے کو دردِ فراق پدر میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ محفلِ فردوس میں جناب سیّد شریف کے متعلّق ہے کہ وہ جامع علوم و حامل شرف و کمال تھے جن کی ولادت روزِ یکشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۹۹۰ھ میں ہوئی تھی، آپ نے اپنے والد بزرگوار اور عبداللہ شوستری سیّد محقق میر تقی الدین سیّد نسابہ شیرازی و میرزا ابراہیم ہمدانی و زبدۃ المجتہدین، شیخ بہاء الدّین محمد عاملی سے کسب کمال کیا تھا اور زبدۃ المجتہدین سے اجازۂ اجتہاد حاصل تھا۔

آپ کے مصنّفات میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مبحث جواہر، حاشیۂ قدیم، حاشیہ

شرح مختصر عضدی، حاشیہ بر حاشیۂ مطالع۔ رسالہ فی عویصات العلوم اور فنونِ مختلفہ پر متعدد رسائل ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے۔ محفلِ فردوس میں آپ کے اشعار موجود ہیں۔

آپ کی وفات جناب شہیدؒ کی شہادت کے بعد روزِ جمعہ پنجم ماہ ربیع الآخر ۱۰۲۰ھ میں آگرہ میں واقع ہوئی اور جوار شہیدؒ میں دفن ہوئے۔

محمد یوسف دوسرے صاحبزادے سیّد محمد یوسف تھے۔ محفلِ فردوس میں آپ کے متعلق ہے۔

علیؑ خصال و محمدؐ شعار و یوسفؑ خلق

کہ ایں سہ نور ز اوضاع او بود شاغل

سیادت از نسب سربلند او عالی

سعادت از سبب پائے بوس او حالی

علاء الملک تیسرے صاحبزادے میر علاء الملک تھے۔ آپ کے متعلق مؤرخ محمد صادق زبیری ارزانی جو آپ کا معاصر ہے تاریخ صبح صادق کے مطلع دوازدہم میں میں لکھتا ہے کہ آپ اکابر علمائے زمانہ میں سے ہیں اور اوصافِ انبیاء و اولیاء سے متّصف ہیں۔ ہندوستان میں آپ نے علم اپنے والد ماجد سے حاصل کیا، پھر یہاں سے شیراز تشریف لے گئے اور وہاں سے کمال کے درجہ پر فائز ہو کر ہندوستان واپس ہوئے۔ کچھ دنوں تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور شاہجہاں کے فرزند شاہ شجاع کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ ہی کی تعلیم و تربیت سے شاہ شجاع راسخ العقیدہ شیعہ رہا جس کے باعث شاہ شجاع کے عہد امارت و حکومت میں مذہب شیعہ کو فروغ ہوا

آپ کے مصنّفات میں "مہذّب المنطق"۔ "انوار الہدیٰ مبحث الٰہیات"۔ "صراط الوسیط"۔

اثباتِ واجب" و "تذکرۂ محفل فردوس" ہیں۔ آپ شعر و سخن کی طرف بھی راغب تھے۔ یہ رباعی آپ ہی کی ہے ؎

اے چشم تو بر بسترِ گل خواب کند
زلفِ تو بروز سیر مہتاب کند
رو را ہمہ کس بہ سوئے محراب آرد
جز چشم تو کو پشت بمحراب کند

ابوالمعالی

چوتھے صاحبزادے میر ابوالمعالی تھے۔ ولادت روز پنجشنبہ سوم ذی القعدہ سنہ ۱۰۰۴ھ میں ہوئی اور سنہ ۱۰۴۶ھ میں بمقام بنگالہ بیالیس سال کے سن میں انتقال فرمایا۔

آپ کے مصنّفات میں شرح الفیہ۔ رسالہ نفی رویت باری تعالیٰ۔ تفسیر سورۂ اخلاص انموذج العلوم وغیر ذالک ہیں۔ آپ بھی شاعر و صاحبِ دیوان ہیں۔

علاء الدولہ

پانچویں صاحبزادے میر علاء الدولہ تھے۔ جو ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی فاضل جید الاستعداد و باکمال تھے مشاہیر خطاطین میں سے تھے اور صاحبِ تصانیف و تالیف ہیں۔

آپ نے صواعق محرقہ ابنِ حجر کی رَد میں کتاب بوارق الخاطفہ والراعدۃ العاصفہ تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ حاشیۂ شرح لمعہ حاشیۂ مدارک حاشیۂ بیضاوی اور دیوانِ اشعار ہیں۔

احفاد

آپ ہی کے فرزند جلیل سید علی تھے جو صاحب ریاض العلماء کے معاصر تھے۔ بنا بر قول صاحب کشف الحجب آپ کے صاحبزادے میر محمد علی تھے جنھوں نے سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی سنہ ۱۰۳۵ھ کے اشارے سے مصائب النواصب کا فارسی

میں ترجمہ فرمایا اور صواعق محرقہ کی رد میں بوارق موبقہ۔ وابداء الحق کو تحریر فرمایا ہے۔ جناب شہیدؒ کی مشہور تصنیف تذہیب الاکمام فی شرح الاحکام کا وہ نسخہ جو شہیدؒ کے ہاتھوں کا لکھا ہے اور جو کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ میں ہے۔ اس نسخہ کو انھیں میر محمد علی نے ۱۰۵۳ھ میں وقف کیا تھا۔

جناب شہیدؒ کے ہندوستان زاد احفاد میں میر جمال الدین حسین بن نور اللہ خاں منصب دار شاہی اور ان کے بیٹے میر محمد رضا عرف میر محمدی بھی تھے جن کا قیام عظیم آباد و مرشد آباد میں تھا۔ ہر دو حضرات شاعر تھے اور فارسی کے علاوہ ریختہ اردو میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔

چنانچہ میر غلام حسین شورش (ولد میر محسن عظیم آبادی متوفی ۱۱۹۵ھ) نے اپنے تذکرۂ شورش میں اور شیخ وجیہ الدین حسینی متخلص بہ جمال فرماتے ہیں ؎

جا گیر ساتھ کس دلِ وحشی کو کام ہے
تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

(ولہ)

گلستاں بوستاں جو یاد اک دو باب رکھتا ہے
فغانیؔ انوریؔ، سعدیؔ ظہیر القاب رکھتا ہے

میر محمد رضا عرف میر محمد متخلص بہ رضا کہتے ہیں:۔

چشم نے رونے سے میرا راز افشا کر دیا
دیدہ و دانستہ ہم چشموں میں رسوا کر دیا

(ولہ)

دل کی بے تابیوں سے عشق چھپایا نہ گیا
نام کس نے لیا تیرا کہ میں پایا نہ گیا

عرصہ تک میر مہدی کا قیام عظیم آباد میں رہا اور بعد میں نواب مبارک الدولہ بہادر کے دربار سے متعلق رہے اور مرشد آباد میں انتقال فرمایا۔ اُردو کے صاحب دیوان ہیں (تذکرۂ شورش ص ۱۶۹، ۵۷۰، ۳ و تذکرہ عشقی ص ۳۵۸ یعنی دو تذکرے مرتبہ کلیم الدین احمد مطبوعہ پٹنہ)

حیدر علی صاحب منتہی الکلام کے رسالہ المکاتیب فی رویۃ الثعالیب والغرابیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہیدِ ثالث کے احفاد میں ایک بزرگ مولوی نورالدین حسین اکبرآبادی تھے جو جید الاستعداد فاضل و متکلم تھے جن سے نواب سبحان علی خاں صاحب وغیرہ سے خط و کتابت تھی۔ یہ بزرگ ۱۲۵۷ھ میں لکھنؤ میں موجود تھے۔ ان کے والد کا نام ظہور الدین حسن تھا جن کا انتقال بسفر عتبات عالیات کاظمین (بغداد) میں ہُوا۔ اُن کے متعلق مولوی نورالدین حسین کا بیان ہے۔ "اورنگ آباد شطری از عمرِ گرانمایہ بکمال ترفع و افادات بسر کردہ اند۔"

مزارِ مُقدّس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شہادت کے بعد شہید علیہ الرحمہ کی لاشِ مبارک کو شہر سے باہر غیر آباد سنسان جنگل میں ڈال دیا گیا اور دفن کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ کئی دن کے بعد جب بادشاہ نے ایک ہولناک خواب دیکھا تو دفن کرنے کی اجازت دی۔ بعض سوانح نگاروں نے شہرتِ عام کی بناء پر یہ تحریر کر دیا ہے کہ سید راجو نے آپ کو دفن کیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ سید راجو بن سیّد حامد بخاری آپ کے ہندوستان تشریف لانے سے پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔ البتہ سیّد زین العابدین بن سیّد راجو کے فرزند سیّد حسن عرف میر جمّن سے سے جو اپنے زمانے کے فاضل جید الاستعداد تھے۔ آپ کے تعلقات تھے۔ اور سیّد راجو کے متذکرہ پوتے سے خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ جناب شہید اور اُن کے کچھ سوالات و جوابات بھی تحریراً ہوئے ہیں۔ جن کو شہید علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین میں نقل فرمایا ہے (تحفۃ الکرام میر علی شر قانع ٹھٹھوی ص ۲۷۷) ہو سکتا ہے کہ جناب شہیدؒ کی خبر شہادت سُن کر وہ آئے ہوں اور شریکِ دفن ہُوئے ہوں۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ آپ کی تکفین و تدفین آپ کے فرزند خلف الصدق شریف الحسینی نے (جو مجتہد و صاحب تالیف و تصنیف تھے) فرمائی کیونکہ شرعی حیثیت سے آپ ہی متولی تکفین و تدفین تھے۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ ایک نووارد ایرانی تاجر نے خواب میں جناب

سیدۂ عالمیاں صلوات اللہ علیہا کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا کہ میرا فرزند نور اللہ بے دفن و کفن پڑا ہے۔ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہو۔ یہ سُن کر وہ شریکِ دفن ہُوا۔ جناب شہیدؒ کی عظمت و جلالت کے پیشِ نظر کوئی مومن اس خواب کے متعلق شک و شبہہ نہیں کر سکتا۔

بہر حال جناب شہیدؒ کے دفن ہو جانے کے بعد آپ کے جلیل القدر فرزند قبرِ مقدس کے مجاور رہے۔ لیکن ایک سال بعد پنجم ربیع الاول ۱۰۲۰ھ کو آپ راہیٔ جنّت ہُوئے اور اپنے پدر بزرگوار کے قریب ہی ہمیشہ کے لیے آسودۂ خاک ہو گئے۔ مرقدِ مبارک شہیدؒ ابتد ہی سے مشہور و معروف اور محلِّ زیارت رہا ہے۔ علّامہ محمد باقر خوانساری اپنی کتاب روضات الجنات میں مصنّف صحیفۃ الصفا کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"قتل بتهمة الرّفض فی دولة السّلطان جهانگیر بن جلال الدّین محمد اکبر التّیموری باکبر آباد و قبره هناك مزار معروف کنّا نزوره"

آپ بعہد جہانگیر اکبر آباد میں تہمت رفض کی بنا پر قتل کیے گئے۔ آپ کا مزار شہر آگرہ میں مشہور ہے ہم نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔"

علامہ نوری خاتمۃ المستدرک میں لکھتے ہیں:۔

فمات رحمه الله شهید او کان ذالك فی اکبر آباد من اعظم بلاد الهند و مرقده هناك یزار و یتبرك به

"خدا آپ پر رحمت کرے۔ آپ اکبر آباد میں شہید ہُوئے۔ اس شہر میں آپ کے مرقد کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔"

شیخ احمد علی سندیلوی (جو محمد شاہ کے زمانہ میں تھے) مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں:۔

"مزارش در اکبرآباد زیارت گاہِ مومناں است۔"

(ترجمہ) آپ کا مزار آگرہ میں شیعوں کی زیارت گاہ ہے۔"

اسی بنا پر اس مقدّس مقام پر علماء و اکابر سپردِ خاک کیے جاتے رہے۔ بہت سے قبور اور ان کے نشانات مٹ چکے ہیں اور بعض اب تک ظاہر و ہویدا ہیں۔

۱۱۴۸ھ میں سیّد علی رضوی دفن ہوئے۔

۱۱۹۱ھ میں سیّد علی اکبر بن معز الدین محمد الحسین الرضوی النیشاپوری دفن کیے گئے جن کی قبر جناب شہیدؒ کے پائینِ پا زنانہ کمرے میں موجود ہے۔

۱۱۹۳ھ میں میر نصر الدین شہاب موسوی نظلم شہید کیے گئے تھے، یہاں سپردِ خاک کیے گئے۔ سالِ تاریخ جو قبر پر ہے وہ یہ ہے۔ ؎

چو شد مقتول گفتم سالِ تاریخ

شہیدی جنّتی شد سیّدِ پاک

۱۱۹۳ھ

اسی سال باپ کے غم میں سیّد حسن موسوی بن نصر اللہ نے بھی انتقال فرمایا اور قریب ہی دفن ہوئے۔ تعویذ پر یہ تاریخ ہے۔ ؎

سالِ تاریخ فوت راعالی

بود ایں تربت حسن گفتار

۱۱۹۳ھ

۱۱۹۴ھ میں میر محمد علی موسوی یہیں دفن ہوئے۔ قبر پر سالِ تاریخ یہ ہے ؎

یارب از بہرِ محمّد با علی محشور باد ۱۱۹۴ھ

اسی طرح سنہ ۱۲۱۲ھ میں امیر ابو المعالی بن روح الامین یہاں مدفون ہوئے۔ لوح پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ ؎

"ذاتِ عالی" گشت سالِ رحلتش (سنہ ۱۲۱۲ھ)

حوادثاتِ ایّام و امتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب مرقدِ مبارک خراب و خستہ حالت میں ہو گیا تو محمد شاہ کے زمانے میں جب کہ امیر الامراء ذو الفقار الدولہ نواب نجف خاں (متوفی سنہ ۱۱۹۶ھ) مختارِ کل ممالکِ محروسہ تھے اور وزارتِ عظمیٰ پر فائز تھے۔ انھیں کے دورانِ وزارت میں میر محمد منصور موسوی نیشاپوری نے (جو آگرہ کے گورنر تھے) سنہ ۱۱۸۸ھ میں مرقدِ منوّر کی تجدید کی اور عمارتِ مزار کو تعمیر کرایا جس کے چاروں طرف پُر فضا باغ لگوایا۔ محمد وحید اللہ بدایونی اپنی تاریخ ہندوستان موسومہ "تاریخ نو" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"در حین صوبہ داری اکبر آباد از امیر منصور بسیار کار عمدہ بظہور رسیدہ از انجملہ مقبرہ سیّد نور اللہ شوستری بعمارتِ نفیس و متین و باغ بسیار عمدہ و رنگین تعمیر و تعریض نمود۔" (تاریخ نو ص ۸۴ مطبوعہ مطبع احمدی)

(ترجمہ) "میر منصور موسوی نے اکبر آباد کی صوبہ داری کے زمانے میں بہت سے اچھے کام کیے۔ منجملہ اُن کے سیّد نور اللہ شوستری کا مقبرہ ہے جو ایک نفیس و متین عمارت ہے اور اس کے چار جانب بہت ہی عمدہ سر سبز و رنگین باغ لگوایا۔"

میر محمد منصور موسوی نے مرقدِ شہیدؒ پر سنگ سُرخ کا ایک کتابہ بھی نصب کیا تھا جو اس وقت آپ کے پائیں پا زنانخانہ کی دیوار میں نصب ہے، اس پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"مرقدِ مطہر مضجعِ منور سیّد سندی عالی مقدار شہید سعید والا تبار بہارِ باغِ امامت

سحاب گلشن سیادت برق کشف رازِ اہلِ ضلالت پیشوائے فرقۂ ناجیۂ باسعادت یادگارِ شہسوارِ یثرب وبطحا چشم وچراغِ شہیدِ کربلا آفتاب ہدایت و رہبری ابوالفضائل سیّد نوراللہ الشوستری نوراللہ مضجعہ کہ در ۱۰۱۹ھ بدرجۂ شہادت فائز گشتہ ومرقدِ مطہرش در ۱۱۸۸ھ بشہود پیوستہ۔"

مقبرۂ شہیدؒ کی تعمیر کے بعد ایک مغلیہ شہزادی نے مزارِ مبارک کے قریب ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد کو تعمیر کرایا تھا۔

تعمیر جدید جب زمانہ کی مخالف ہواؤں سے باغ نذرِ خزاں ہوگیا تو سرسبز وشاداب درختوں کی جگہ جنگلی خاردار جھاڑیوں نے لے لی اور مومنین کی غفلت و بے توجہی سے مقبرہ نے شکستہ ہوکر خرابہ کی شکل اختیار کرلی اور اس نشانِ تشیعیت کا کوئی بتلانے والا نہ رہا امکان تھا کہ قبرِ مطہر ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتی اس وقت خداوندِ عالم نے ایک مردِ حق آگاہ کو اس کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا آج سے ایک سو گیارہ سال قبل کی بات ہے کہ ۱۲۷۱ھ میں جناب آیۃ اللہ فی العالمین فردوس مآب علّامہ سیّد حامد حسین صاحب موسوی کنتوری اعلی اللہ مقامہ اور اُن کے چھوٹے بھائی علامہ سیّد اعجاز حسین صاحب مؤلفؒ "کشف الحجب والاستار" ہندوستان کے نہ مٹنے والے "نشانِ تشیعیت" کو اُجاگر کرنے کے لیے لکھنؤ سے آگرہ تشریف لائے۔ زیارتِ قبر مبارک کے موقع پر جو تأثرات جناب فردوس مآب کے تھے وہ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:-

"اضاءت عیونی باجتلاء هٰذه البقعة وسطع علی انوار الحق من هٰذه اللمعة ولعمری لورأها المبطل اصبح مؤمنًا ولو ابصرها المدغل رجع موقنا یفوح منها عبقات

السّعادة ویضوء منها نفحات الشّهادة یرق فیها قلب الانسان
وان کان من الصّخور ویتواضع لجلالتہ فخارها کل
مختال فخور۔ (مکتوب فردوس مآب بنام مولوی علی حسن صاحب)

(ترجمہ) "میری آنکھیں اس مزار کی زیارت سے روشن ہوگئیں اور مجھ پر انوارِ حق اس کی چمک سے نمایاں ہو گئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس مزار کو باطل عقیدہ رکھنے والا دیکھے تو مومن ہو جائے اور اگر دل میں دغل رکھنے والا اس کا مشاہدہ کرے تو صاحب یقین ہو جائے۔ اس روضہ سے سعادت کی خوشبوئیں پھیلتی ہیں اور شہادت کی معطر ہوائیں چلتی ہیں۔ انسان کا دل اگر پتھر کا بھی ہو تو موم ہو جائے اور ہر متکبر اُس کی عظمت کے سامنے تواضع کرنے لگتا ہے۔"

اُس عہد میں مزار کی جو حالت تھی اس کے متعلق اسی متذکرہ مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

"مع انّ هٰذا الرمس الطّاهر الّذی طیبه فائح لیس علیها ما علی غیره من الضرائح من زبرج العمارة وزخارفها وطرف الدنیا ومطارفها بل انّما هو فی قفر غیر معمور و محلّ غیر مشهور ومهتمة لایهتدے الیه الّا طالب کادح متحمّل لتعب فادح حتّی انّه ماکان عزّ والوعفی اثره وانمحیٰ خبره لخمول الحق فی هٰذه القریة الظالم اهلها جهلها ولکن ابی الله الّا ان یُتِمَّ نوره ویزداد الحق و ظهوره ومعاند وهٰذه القریة لوسألهم غریب عن هٰذه الرّمس الشّریف لایهدونه امّا جهلا وامّا عنادا

وهم جابرون یریدون ان یطفئوا نوراللہ بافواہہم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون "

(ترجمہ) باوصفیکہ یہ قبرِ مطہر جس کی خوشبو پھیلتی رہتی ہے ایسے حال میں ہے کہ اس پر تعمیر کی زینت اور آرائش کا سامان جس طرح اور قبور پر ہے مطلقاً نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسے مقامِ غیر آباد بلکہ جنگل میں ہے کہ سوائے کوشش بلیغ سے تلاش کرنے والے کے جو بڑا تعب اٹھائے اور کوئی اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ عجب نہیں ہے اگر اس کا نشان بھی مٹ جائے اور کچھ خبر بھی اُس کو معلوم نہ ہو اس لیے کہ حق اس شہر میں نہایت پوشیدہ اور اس شہر کے ظالم لوگوں پر جہل غالب ہے لیکن خدا تو اپنے نُور کو پُورا ہی کر کے رہے گا اور حق کا ظہور ضرور زیادہ ہوگا اور اس شہر کے اہلِ عناد سے اگر کوئی پردیسی اس قبر شریف کا پتہ پوچھتا ہے تو اس کو نہیں بتاتے۔ یا تو جہل کی وجہ سے یا دشمنی کے سبب سے باوجود علم کے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے نورِ خُدا کو خاموش کر دیں مگر خدا ضرور اپنے نُور کو تمام کرے گا۔ اگرچہ حق پر پردہ ڈالنے والے خدا کے دشمنوں کو بُرا معلوم ہو۔"

جناب فردوس مآبؒ کی توجہ دہانی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں سید علی نقی جعفری پیرسری نے دوسرے مومنین کی مدد سے ازسرِ نو اُطاق نما عمارتِ مزار کو تعمیر کرایا۔ سالِ تاریخ اس قطعہ سے ظاہر ہے۔ ؎

فرمود علی نقی مزارش تعمیر
گشتند جمیع مومنینش ہمراہ

سالِ تاریخ ایں مبارک روضہ

جنّات نعیم مرقد نوراللہ

فردوس مآب کے بعد سرکار ناصر الملّۃ طاب ثراہ اس کے تحفظ وبقاء کے لیے سرگرمِ عمل رہے جس کے دیکھنے والے اور جاننے والے آج بھی موجود ہیں اور جس کے آثار ونتائج یعنی مزارِ اقدس کے موجودہ آثار ونشانات (عظیم الشان پھاٹک آہنی پنڈال برائے انعقادِ مجالس سالانہ، قیامگاہِ زائرین وغیرذالک) ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں مغلیہ شاہزادی کی تعمیر کرائی ہُوئی سہ دری مسجد جو منہدم ہوچکی تھی اس کو سرکار ناصر الملت کے حکم سے راجکماری کنیز باقر مرحومہ بنت راجہ ابوالحسن خاں آف بلھرانے ازسرِنو تعمیر کرایا۔ جناب ناصر الملّۃ اعلی اللہ مقامہٗ نے مزارِ مقدّس کے تحفّظ ونگرانی اور زائرین کی سہولتِ قیام اور سالانہ مجالس یادگارِ شہیدؒ منعقد کرنے کے لیے انجمن معین الزّائرین کی تاسیس فرمائی اور ۱۳۲۲ھ کو پہلی سالانہ یادگارِ شہیدؒ کی مجالس منعقد کی گئیں۔ سرکار ناصر الملّۃ کو اس مقدس زمین سے جو روحانی تعلق تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ عتبات عالیات ائمۂ معصومین علیہم السّلام کے بعد اگر کسی جگہ کو اپنا "مضجع" اور "آرامگاہ" ہونا پسند فرمایا۔ وہ یہی جوارِ شہیدؒ ہے۔ بڑی بابرکت وپُرنور جگہ ہے ؎

غنچہ ہائے حدیقۂ ناز است

تازہ گلہائے گلشنِ راز است

آفتاب است چشمِ بد زِ دُور

آسمانے است پُر کواکبِ نُور

آلِ عبقات مزارِ مقدّس کی تعمیر وتوسیع وتشیید وتزئین کی طرف برابر اپنی توجہ مبذول کرتے رہے۔ چنانچہ موجودہ سرپرستِ مزار خلف الصّدق ناصر الملّۃ حجۃ الاسلام مولانا

سیّد محمد سعید صاحب قبلہ مجتہد و نبیرۂ ناصر الملّۃ خطیب الایمان مولوی سیّد مظفر حسین طاہر عبقانی ایڈووکیٹ کی توجہاتِ خصوصی و مساعی جمیلہ سے جب کہ مزارِ مقدس زیرِ تولیت و نظارت اس مؤلّف حقیر کے ہے۔ ۱۹۶۶ئہ میں موجودہ عالیشان و پُر شکوہ روضۂ شہید جو شبیہ روضۂ مقدسہ مطہرہ حضرت سیّد الشہداء صلوات اللہ علیہ ہے، تعمیر ہُوا۔ ؎

لکَ قُبَّۃٌ یَابنَ النَّبیِّ مُنیرَۃٌ
وَدَارحمی لِلمُستَجِیرِ مُجِیرَۃٌ
وَلَمّا دَھَتنَا فِی المُلَمَّانِ حَیرَۃٌ
بِقَبرِکَ لُذنَا وَالقُبُورُ کَثِیرَۃٌ
وَلٰکِنَّ مَن یَحمِی النَّزِیلَ قَلِیلٌ

ثوابِ زیارتِ شہیدؒ

متعدد وجوہ سے قبرِ شہیدؒ کی زیارت کا بڑا ثواب ہے۔ باعتبارِ مومنِ غریب الوطن، باعتبارِ صالح اولادِ پیغمبرؐ، باعتبارِ عالم باعمل، باعتبارِ مبلّغ طریقۂ اہلبیت باعتبارِ شہید راہِ خُدا، ان میں سے اگر کسی صاحبِ قبر کو ایک مرتبہ بھی حاصل ہو تو اس کی زیارت زائر کے لیے سببِ اجر ہے، نہ کہ متذکرہ بالا خصوصیات جنابِ شہیدؒ میں مجتمعاً موجود ہیں۔ قبرِ شہیدؒ کی زیارت باعثِ ازدیادِ حسنات ہے۔ ہر مومنِ مستطیع کو اُس کی زیارت ضروری ہے فقیہ الطائفہ شیخ ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی متوفی ۳۶۷ھ کامل الزیارات میں اپنے سلسلہ اسنادِ صحیحہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا علیہما السّلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"من لہ یقدرہ ان یزور فلیزر صالح موالینا یکتب لہ ثواب

زیارتنا من لم یقدرہ ان یزورنا فلیزر صالح موالینا یکتب
لہ ثواب زیارتنا و من لم یقدرہ علیٰ ملتنا فلیصل علی صالحی
موالینا یکتب لہٗ ثواب زیارتنا و من لم یقدرہ علی ملتنا۔
(کامل الزیارات باب ۱۰۵ ص ۳۱۹ طبع نجف)

(ترجمہ) جو مومن ہماری قبور کی زیارت نہ کر سکے اس کو چاہیے کہ ہمارے موالینِ صالحین کے قبور کی زیارت کا کرے۔ اس کو ہماری قبروں کی زیارت کا ثواب ملے گا اور جو مومن ہمارے ساتھ نیکی کرنے پر قادر نہ ہو وہ ہمارے موالینِ صالحین کے ساتھ نیکی کرے اس کو بھی وہی ثواب ملے گا جو ہمارے ساتھ نیکی کرنے پر ملتا ہے۔"

زائر کو چاہیے کہ باادب داخلِ مزار ہو اور قبلہ رُخ ہو کر قبرِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر سات مرتبہ سورہ انّا انزلناہ پڑھے۔ حدیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے خوفِ قیامت سے وہ محفوظ رہے گا۔ سورۂ قدر کے علاوہ اول و آخر تین مرتبہ درود پڑھ کر سورۂ حمد اور تین مرتبہ سورۂ توحید پڑھے۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر ائمۂ معصومین علیہم السّلام کی زیارت اس مقام میں پڑھے اور زیارت علماء جو کتب زیارات میں وارد ہیں وہ پڑھے۔ ان حالات کے بعد جناب شہیدؒ کے وسیلے اور واسطے سے بارگاہِ احدیت میں دُعا کرے انشاءاللہ مستجاب ہوگی۔

شہادت کے اثرات مابعد اور شیعیت کو فروغ

اخیر میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ طول وعرضِ ہند و پاک میں جو شیعیت کو فروغ ہے وہ جناب شہید علیہ الرحمہ کے مصنّفات اور آپ کی جرأت مندانہ شہادت کا نتیجہ ہے

اس سے تبلیغ مذہب کا ولولہ پیدا ہُوا۔ دوسرے شیعی علماء میں ہمت و جرأت پیدا ہوئی اور زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ دورِ سلطنت مغلیہ ہی میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر نواب ابراہیم علی خاں گورنر کشمیر نے شیعی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا، جہاں سے ایک اہتمام بالشان تالیف "بیاض ابراہیمی" کے نام سے متعدد مجلدات میں شائع کی گئی۔ اور شیعیت کی تبلیغ سرگرمی کے ساتھ کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کا فرزند ابو نصر قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۱۱۸ھ میں تخت نشین ہُوا۔ اس نے کھل کر شیعیت کا اعلان کر دیا۔ یہ وہ بادشاہ ہے جس کے مقابلہ میں شاہانِ مغلیہ میں کوئی دوسرا بادشاہ ایسا صاحبِ علم و فضل نہیں گزرا جس کے متعلق محمد ساقی مستعد خاں مقربِ خاص عالمگیر نے مآثرِ عالمگیری میں لکھا ہے کہ فقہ و اصول میں اُن کی مجتہدانہ نظر تھی۔ تفسیر و علمِ کلام میں وہ جواب نہیں رکھتے تھے اور علمِ حدیث میں ایسے ماہر تھے کہ علمائے حدیث، سردارِ محدثین کے نام سے یاد کرتے تھے (مآثرِ عالمگیری مستعد خاں) مجالس المومنین کا فیضان اور احقاق الحق کا یہ اثر تھا کہ امرائے دربار مقربین سلاطین، اعیانِ لشکر کی اکثریت شیعہ دکھلائی دینے لگی اور عوام میں شیعیت کو اس قدر رسوخ حاصل ہُوا کہ دار السلطنت دہلی میں کوئی گھر اہلسنّت کا ایسا نہ تھا جو شیعی عقیدہ و رجحان سے متاثر نہ ہُوا ہو۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا خاندان بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ آپ کے اعزّا میں سے مولوی قمر الدین منّت نے شیعہ مذہب قبول کیا۔ دہلی کا مشہور و معروف خاندان شریفی اس سے اتنا متاثر ہُوا کہ اس نے تحفۂ مسروقہ کے جواب میں نزہۂ اثنا عشری حکیم میرزا محمد طاب ثراہ سے لکھوائی۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ شاہ عبد العزیز دہلوی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:

"دریں بلد کہ ما ساکن ایم و دریں زمان کہ ما در آنیم رواج مذہب اثنا عشریہ و شیوع

آں بحدّے اتفاق افتادہ کہ کم خانہ باشد کہ یک دو کس ازاں خانہ بایں مذہب نباشند و راغب بایں عقیدہ نشوند۔" (تحفۂ اثنا عشریہ)

یہاں تک کہ شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے پورے ملک ہندوستان کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا۔ دکن، بنگال، بہار، اودھ میں شیعہ حکومتیں قائم ہوئیں خصوصاً شمالی ہندوستان کا مشہور ثقافتی مرکز لکھنؤ شیعوں کا مرکزِ علم و تبلیغ ہوگیا۔ یہ سب کچھ جناب شہیدؒ کی قربانی و ایثار کا نتیجہ ہے۔ دراصل جناب شہیدؒ کے بعد کی شیعیت کی تاریخ آپ کے ارشاد "کُشتہ شدن امثالِ فقیر در نصرت مذہب حق موجبِ عزّتِ دین است" کی مکمل تفسیر ہے۔ انھیں خصوصیات کی بنا پر محدّث آفندی صاحب ریاض العلماء نے آپ کے متعلق فرمایا ہے۔

"ھو اوّل من اظھر التّشیُّع فی بلاد الھند علانیة۔"

آپ ہی نے سب سے پہلے ہندوستان میں علانیہ شیعیت کو روشن و ظاہر فرمایا اور اُس کی اشاعت و تبلیغ کھل کر کی۔

****

باسمہٖ سبحانہٗ

ضمیمہ (ا)

اجمالی جائزہ

(باعتبار سنین ہجری وعیسوی)

○

سنہ ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء	: شہید ثالثؒ کی ولادت بمقام شوستر (ایران) میں ہوئی۔
سنہ ۹۷۹ھ یا سنہ ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء ۱۵۷۳ء	: آپ اپنے وطن شوستر سے مشہد مقدس تشریف لائے۔
سنہ ۹۹۲ھ ۱۵۸۴ء	: تبلیغ واشاعتِ مذہب کے لیے (بعہد شہنشاہ اکبر) ہندوستان تشریف لائے۔
سنہ ۹۹۴ھ یا سنہ ۹۹۵ھ ۱۵۸۶ء ۱۵۸۷ء	: جب اکبر اعظم کا لاہور میں ورود ہوا تو آپ کو قاضی شیخ معین متوفی سنہ ۹۹۵ھ کی جگہ پر قاضی

القضات لاہور مقرر کیا گیا۔

سنہ ۹۹۵ھ / ۱۵۸۷ء : آپ نے مصائب النواصب کو تصنیف کیا

سنہ ۹۹۸ھ تا ۱۰۱۰ھ / ۱۵۸۹ء ۱۶۰۱ء : اس مدت میں آپ نے مجالس المؤمنین کو تصنیف کیا۔

سنہ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء : احقاق الحق کو تصنیف کیا اور اس کے بعد آپ نے الصوارم المہرقہ کو تصنیف کیا۔ جو سنہ ۱۰۱۴ھ و ۱۰۱۹ھ کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہی وہ تصانیف ہیں (خصوصاً احقاق الحق) جو آپ کی شہادت کا باعث ہوئیں۔

۱۸ جمادی الآخر ۱۰۱۹ھ / ۷ ستمبر ۱۶۱۰ء : تبلیغ و اشاعتِ مذہبِ شیعہ کے جرم میں بادشاہ جہانگیر نے بضربِ دُرّۂ خاردار آپ کو شہید کر ڈالا اور آبادی شہر سے دُور سنسان جنگل میں آپ کی لاش مبارک کو بے غسل و کفن ڈال دیا گیا۔ تین دن بعد اسی سنسان بیابان میں آپ دفن ہوئے اور سنگی مرقدِ مبارک بنایا گیا۔

سنہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء : شہیدِ ثالث کے فرزندِ اکبر سید شریف الحسینی نے (جو مجتہد العصر تھے) اور قبرِ شہید کی مجاوری کرتے

تھے) انتقال کیا اور اپنے پدرِ بزرگوار کے جوار میں دفن ہوئے۔

سنہ ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۵ء : اموات مومنین اس مقام پر دفن ہونے لگے۔

سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء : امتدادِ زمانہ کی وجہ سے مرقدِ منور شکستہ حالت میں ہو چکا تھا۔ سیّد محمد منصور موسوی نیشاپوری نے مرقدِ منوّر پر مسقّف عمارت (جس میں مدور در بغیر دروازوں کے تھے) تعمیر کرائی اور قبر پر سنگِ سُرخ کا ایک کتبہ نصب کیا، موجودہ عمارتِ نو میں یہ کتبہ زنانہ کمرہ میں نصب ہے جو پائینِ پا واقع ہے۔

سنہ ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء : حوادثِ زمانہ اور مومنین کی بے توجّہی سے عمارت مزار منہدم ہو گئی اور اس کے ملبے کے نیچے مرقدِ شہید پوشیدہ ہو گیا۔ سنسان جنگل پہلے سے تھا ہی، اب خودرو جھاڑیوں اور خاردار درختوں کی افزائش کی وجہ سے یہ مقام خوفناک درندوں اور موذی حشرات الارض کا مسکن ہو گیا۔ یہاں تک کہ قبر کا نشان بتلانے والے بھی نہ رہے۔ اس موقع پر

دنیائے شیعیت کی نامور رُوحانی ہستی آیۃ اللہ
علامہ سید حامد حسین مولوی نیشاپوری مجتہد العصر
مصنّف عبقات الانوار قبرِ مطہر شہید کو تلاش کرنے
کے لیے مع اپنے برادرِ علامہ سید اعجاز حسین موسوی
نیشاپوری مصنف کشف الحجب والاستار آگرہ
تشریف لائے اور بڑی زحمت و تعب و مشقت
کے بعد مرقدِ شہید کو کشف کر کے نمایاں کیا اور مومنین
کو شہیدِ ثالث کی جلالتِ قدر سے آگاہ کر کے پھر
سے نئی عمارت بنانے کی طرف متوجہ کیا۔

سنہ ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء : جناب فردوس مآب علامہ سید حامد حسین موسوی
نیشاپوری مجتہد العصر کی سرپرستی میں زیرِ اہتمام
سید علی نقی صاحب جعفری پہرسری باعانت مومنین
سابقہ عمارت کی بنیاد پر دوسری عمارت تعمیر ہوئی۔
اس میں بھی صرف مدور در تھے، دروازے نہ تھے۔

سنہ ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء : سرپرست مزار جناب فردوس مآبؒ نے انتقال فرمایا
اور اُن کے خلف الصدق جناب آیۃ اللہ ناصر الملۃ
والدین مولانا سید ناصر حسین صاحب موسوی نیشاپوری

مجتہد العصر نے مزارِ اقدس کی سرپرستی کے فرائض انجام دینا شروع کیے اور اپنے والد علام کی طرح مزارِ اقدس کو تاحیات مزید ترقی دیتے رہے۔

١٣٣١ھ ١٩١٢ء : چونکہ مزار تک پہنچنے کے لیے دیوانی کچہری کے بعد راستہ بہت زیادہ خراب و ناہموار تھا۔ نالے اور خندق کی وجہ سے عبور و مرور دشوار تھا۔ اس لیے ١٣٣١ھ مطابق ١٩١٢ء میں حسبِ خواہش سرکار ناصر الملت ولبعیٔ نواب سر فتح علی خاں قزلباش لاہور دیوانی کچہری سے نہر تک گورنمنٹ نے پختہ سڑک بنوائی اور مزار سے نہر تک (مع پل) مومنین کے چندے سے سڑک بنوائی گئی۔

اسی سال سرکار ناصر الملت کی زیرِ سرپرستی مزار کی نگرانی و انصرامِ اُمور کے لیے انجمن معین الزائرین قائم ہوئی اور سالانہ مجالس یادگار شہید کی بنیاد پڑی۔ اس انجمن کے پہلے سکریٹری مولانا سیّد حسن عباس موسوی نیشاپوری منتخب ہوئے اور سیّد ناظم حسین صاحب متولّی مزار نے تولیتِ مزار کی تمام ذمہ داریاں اس انجمن کے سپرد کر دیں۔ مولانا سیّد حسن عباس

صاحب موسوی کے دورِ نظامت میں ایوان مزار کا اضافہ ہُوا۔ ایک کمرہ مستورات کے لیے بنا، اندرونِ مزار مرمری فرش و مرمری منبر بنا، آہنی پنڈال سالانہ مجالس کے لیے نصب کیا گیا۔ مشرقی کمرے قیامِ زائرین کے لیے اور عظیم الشّان پھاٹک و دیگر عمارات کی تعمیر ہوئی۔

۱۳۶۱ھ
۱۹۴۲ء

: سرکار ناصر الملّت کے ارتحال بعد اُن کے خلف الصّدق حجۃ الاسلام سرکار سعید الملّۃ مولانا سیّد محمد سعید الموسوی النیشاپوری مجتہد العصر مزار اقدس و انجمن معین الزائرین کے سرپرست ہُوئے۔ اسی سال حضرت صدر المحققین سرکار ناصر الملّتؒ کی وصیّت کی بنا پر سرکار طاب ثراہ کا جنازہ لکھنؤ سے لایا گیا۔ اور چودھری سیّد ارشاد حسین صاحب مرحوم رئیس رودولی ضلع بارہ بنکی نے اپنے تعمیر کردہ دو کمروں کو مزارِ ناصر الملّتؒ کے لیے مخصوص کر دیا اور ان متذکرہ کمروں کی کمی کو سرپرست مزار سرکار سعید الملّت مدظلہٗ اور سرکار نصیر الملّت طاب ثراہ کی توجہ دہانی سے دو بڑے خوش نما کمروں (مع دو سائیڈ روم و برآمدہ) کے جناب

رانی صاحبہ محمود آباد و بلھراز ادحشمتھا نے زرکثیر صرف
کر کے قیامِ زائرین کے لیے تعمیر کرا کے پورا کیا۔
سرکار سعید الملّت مدظلہٗ اور موصوف کے برادرِ
بزرگ سرکار نصیر الملّت طاب ثراہ برابر مزارِ اقدس کی
ترقّی و بہبود کے لیے کوشاں رہے اور صدرِ انجمن
معین الزّائرین سیّد ثامن حسین صاحب مزارِ اقدس
سے اپنی فطری دلچسپی اور عقیدت کی بناء پر ان اُمور
میں سرگرمی کے ساتھ حصّہ لیتے رہے۔

۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء : سرپرست مزار و سرپرست انجمن معین الزائرین
سرکار سعید الملّت مدظلہٗ نے مزارِ اقدس و انجمن کی
نظامت کے فرائض بحیثیت آنریری جنرل
سکریٹری ناچیز کے سپرد فرمائی اور میں نے باوجود اپنی
توانائی کے یا علیؑ کہہ کر اس بارِ عظیم کو اٹھا لیا اور
خوش قسمتی سے سرکار کی سربراہی و سرپرستی میں مزارِ
مقدّس کی نمایاں ترقیاں حاصل ہونے لگیں۔

۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء : الحمد للہ کہ ناچیز کے دورِ نظامت تولیت میں بہ تعاونِ
خاص خطیب الایمان مولانا سیّد مظفر حسین صاحب

طاہر عبقاتی نبیرۂ سرکار ناصر الملّت مومنین مخلصین
کے گرانقدر عطایا سے تیسری بار از سرِ نو جدید عالیشان
عمارتِ مزار مع ہر دو منارہ و قبّہ تعمیر ہوئی جو ایک
جانب سے حرمِ اقدس امیر المومنین صلوات اللہ علیہ
اور ایک جانب سے حرمِ مقدس سیّد الشہداء
علیہ الصّلوٰۃ والسّلام (کربلاءِ معلّیٰ) کی شبیہہ ہے۔

سنہ ۱۳۹۰ھ
۱۹۷۰ء

: تعمیرِ جدید مزار اقدس کا جشنِ افتتاح ہُوا جس میں
خطیب الایمان مولانا سیّد مظفر حسین طاہر عبقاتی
کی دعوت پر نمایندگانِ مراجع تقلید عالمِ شیعیت و
اعاظم علمائے ایران و عراق و لندن و نیز نمائندۂ آریا
مہر شہنشاہِ ایران و سفیر کبیر ایران متعینہ دہلی اور وزراء
مرکز جمہوریتِ ہند و گورنر یوپی و دیگر رہبرانِ ملک و
ملّت نے شرکت فرمائی۔

یوم جمعہ دہم شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ
یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء

سید سبط الحسن

ضمیمہ (۲)

مصنّفات شہیدؒ ثالث علیہ الرّحمہ

(۱) تفسیر

(۱) انس التوحید فی تفسیر آیۃ العدل و التوحید	عربی
(۲) تفسیر آیۂ انّما المشرکون نجس	〃
(۳) تفسیر آیۂ رویا	〃
(۴) تفسیر آیۂ قال الملک انّی اری سبع بقرات ۔۔۔۔ الآیہ	فارسی
(۵) تفسیر آیۂ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام الخ	عربی
(۶) کشف العوار فی تفسیر آیۃ الغار۔	〃
(۷) تفسیر آیۂ تطہیر و رَدِّ کلام فخر رازی متعلق بہ آیۂ تطہیر	(مطبوعہ)

(۸) حاشیۂ تفسیر بیضاوی عربی

(۹) حاشیۂ ثانی بر تفسیر بیضاوی 〃

(۲) فقہ

(۱۰) تذھیب الاکمام فی شرح تہذیب الاحکام عربی

(خود شہید کے ہاتھوں کا لکھا ہُوا قلمی نسخہ کتاب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے)

(۱۱) غایۃ المرام شرح تہذیب الاحکام 〃

(۱۲) حاشیہ بر قواعد الاحکام علامۂ حلّیؒ 〃

(۱۳) حاشیہ بر مختلف الشّیعہ فقہ 〃

(۱۴) لمعہ فی صلوٰۃ الجمعہ 〃

(۱۵) رسالہ فی نجاستہ الخمر 〃

(۱۶) رسالہ فی مسئلۃ الکفّارۃ 〃

(۱۷) رسالہ فی رکنیتہ السّجدتین 〃

(۱۸) رسالہ فی غسل الجمعہ 〃

(۱۹) رسالہ فی مسئلہ لبس الحریر 〃

(۲۰) ردّ رسالہ ابن ابی عقیل و اثبات مسلک فقہا بمجرد ملاقات نجاست نجس شود 〃

(۲۱) رسالہ فی تقدیر الماء الکثیر الّذی حکم علیہ الشّارع بالتّطہیر (تالیف در لاہور) 〃

(۲۲) منتخب کتاب المحلّٰی لابن حزم اندلسی فقہ اہلسنّت — عربی

(۲۳) رسالہ فی ردّ ما الّفہ تلمیذ ابن الہمام فی بیان اقتداء الحنفیہ بالشافعیہ فقہ اہلسنّت — 〃

(۲۴) حاشیہ شرح وقایہ (فقہ اہلسنّت) — 〃

(۲۵) حاشیہ بر ہدایہ — 〃

(اس میں مبحث مسح الرجلین پر بحث ہے)

(۳) اُصولِ فقہ

(۲۶) حاشیہ شرح تہذیب الاصول — عربی

(۲۷) تعلیقات بر شرح مختصر الاصول قاضی یحییٰ شافعی — 〃

(اس میں آپ نے قیاس کے باطل ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں)

(۴) حدیث واذکار

(۲۸) شرح مقدمۃ المصابیح للبغوی — عربی

(۲۹) عدۃ الابرار — 〃

(۳۰) رسالہ در فضیلت عید الشجاع — 〃

(۵) کلام

(۳۱) احقاق الحق — عربی مطبوعہ

(۳۲) مصائب النواصب	عربی مطبوعہ
(۳۳) صوارم مہرقہ ردّ صواعق محرقہ	〃
(۳۴) شرح اثباتِ واجب، جدید	〃
(۳۵) شرحِ اثباتِ واجب، قدیم	〃
(۳۶) حاشیہ بر بحثِ عذاب قبر از شرحِ عقائد	〃
(۳۷) دافعۃ الشّقاق والنفاق	〃
(۳۸) نہایۃ الاقدام	〃
(۳۹) رسالۂ رفع القدر	〃
(۴۰) حلّ العقال	〃
(۴۱) البحر الغزیر	〃
(۴۲) الذکر الابقیٰ	〃
(۴۳) تحفۃ العقول	〃
(۴۴) موائد الانعام	〃
(۴۵) حاشیہ بر رسالہ اجوبۂ فاخرہ	〃
(۴۶) عشرۂ کاملہ	〃
(۴۷) سبعۂ سیّارہ	〃
(۴۸) رسالہ در حقیقت عصمت	〃
(۴۹) رسالہ در ردّ شبہات شیطان	فارسی
(۵۰) انموذج یا جلالیہ	عربی

(یہ بعہدِ اکبر اعظم اسی کے نام پر معنون کر کے لکھا)
سالِ تالیف سنہ ۹۹۲ھ

(۵۱) رسالہ ردِّ مقدماتِ صواعق	عربی
(۵۲) السحاب المطیر	〃
(۵۳) حاشیہ بر مبحث امامت شرحِ تجرید	〃
(۵۴) شرح مبحث حدوث عالم از انموذج دوّانی	〃
(۵۵) حاشیہ بر حاشیہ خطائی	〃
(۵۶) رسالہ در ردِّ تصحیح ایمانِ فرعون	〃
(۵۷) رسالہ فی ردّ رسالہ الکاشی	〃
(۵۸) حاشیہ بر رسالہ تحقیق کلام بدخشی	〃
(۵۹) رسالہ فی ردّ ما کتب بعضہم نے نفی عصمۃ الانبیاء	〃
(۶۰) رسالۃ فی ردّ شبہۃ فی تحقیق العلم الالٰہی	〃
(۶۱) حاشیہ بر مبحث معاد شرح تجرید	〃
(۶۲) النور الانور والنور الازہر فی خفایا رسالۃ القضاو القدر	〃
(استقصاء النّظر فی بحث القضاء والقدر۔ علّامہ پر بعض نواصب	〃
نے ایراد کیا تھا۔ اس کے جواب میں لکھا۔ سنہ ۱۰۱۸ھ میں تالیف فرمایا)	〃
(۶۳) حاشیۃ الانموذج علی مبحث حدوث العالم	〃
(۶۴) حاشیۃ الحاشیۃ القدیمۃ علی شرح التجرید	〃
(۶۵) گوہر شاہوار	فارسی

(۶۶) حاشیہ علی شرح التجرید القوشجی علی امبحث المعاد	عربی
(۶۷) حاشیہ علی شرح التجرید القوشجی علی امبحث الامامۃ	〃
(۶۸) جواب اسئلۂ سیّد حسن	فارسی
(۶۹) اللطائف فی بیان وجوب اللطف	عربی
(۷۰) النظر السلیم	〃
(۷۱) حاشیۂ شرح مواقف	〃

(۶) منطق

(۷۲) حاشیہ بر شرح شمسیہ قطبی	عربی
(۷۳) شرحِ بدیع المیزان	〃
(۷۴) حاشیہ بر حاشیۂ تہذیب مُلّا جلال	〃
(۷۵) حاشیہ بر حاشیۂ جلالیہ بر تہذیب المنطق	〃

(۷) فلسفہ

(۷۶) حاشیہ بر حاشیۂ قدیمہ	عربی
(۷۷) حاشیہ بر حاشیۂ شرح تجرید	〃
(۷۸) حاشیہ بر الٰہیات شرح تجرید	〃
(۷۹) حاشیہ وردّ چلپی بر شرح تجرید اصفہانی	〃
(۸۰) حاشیۂ قدیمہ	〃

(۸۱) رسالہ در بیانِ انواع کم	عربی
(۸۲) رسالہ فی انّ الوجوہ لامثل لھا	〃
(۸۳) حاشیہ بر بحث اعراض شرح تجرید	〃
(۸۴) حاشیہ بر مبحثِ جواہر شرح تجرید	〃
(۸۵) شرح مبحث جواہر حاشیۂ قدیمہ	〃
(۸۶) حاشیہ میبذی	〃

(۸) ریاضی

(۸۷) حاشیہ بر شرح چغمنی	عربی
(۸۸) حاشیہ بر تحریرِ اقلیدس	

(۹) رجال

(۸۹) مجالس المومنین	فارسی مطبوعہ
(۹۰) رسالہ اثبات تشیّع سیّد محمد نوربخش	〃
(۹۱) رسالہ در ذکرِ اسمائے رواۃ مخالفین (جو وضّاع حدیث ہیں)	عربی
(۹۲) حاشیہ خلاصۃ الرّجال علاّمۂ حلیؒ	〃

(۱۰) صرف ونحو

(۹۳) حاشیہ بر شرح جامی	〃

(۹۴) رسالہ در تعریف ماضی عربی

(۹۵) رسالہ بحثِ تحذیر 〃

(۱۱) معانی و بیان

(۹۶) حاشیہ بر مطوّل 〃

(۱۲) ادب

(۹۷) دیوانِ قصائد ادب فارسی و عربی

(۹۸) شرحِ خطبۂ عضدی عربی

(۹۹) حاشیۂ خطبۂ شرحِ مواقف 〃

(۱۰۰) رسالہ گل و سنبل فارسی

(۱۰۱) شرح رباعی شیخ ابوسعید ابن ابی الخیر 〃

(۱۰۲) دیوانِ اشعار 〃

(۱۰۳) کتاب منشآت 〃

(۱۳) ادعیہ

(۱۰۴) شرح دعائے صباح امیرالمومنینؑ فارسی

(۹۹۰ھ میں تالیف فرمایا)

(۱۰۵) مجموعۂ ادعیہ و اوراد عربی

****

ضمیمہ (۳)

وہ کتابیں

جن میں جناب شہیدؒ کے حالات ہیں

اور جن سے استفادہ کیا گیا ہے

****

(۱) منتخب التواریخ، شیخ ملّا عبدالقادر بدایونی (معاصر اکبر)	فارسی
(۲) طبقاتِ اکبری، ملّا نظام الدین ہروی (معاصر اکبر)	〃
(۳) ذخیرہ الخوانین، شیخ فرید بھکری (معاصر جہانگیر)	〃
(۴) عرفات العاشقین، تقی الدین اوحدی بلیانی (معاصر جہانگیر)	〃
(۵) محفلِ فردوس، میر علاء الملک ابن الشہیدؒ	〃
(۶) مرآۃ العالم، محمد بختاور خاں (معاصر اورنگ زیب)	〃
(۷) صبحِ صادق، زبیری (معاصر شاہجہان)	〃
(۸) تاریخ آئینۂ محمدی، جلد دوم میرزا محمد بن معتمد خاں بدخشی (معاصر جہانگیر)	عربی و فارسی

(۹) تنقیح الاخبار، ملّا محمد ماہ حنفی (معاصر محمد شاہ)	فارسی
(۱۰) صحائف شرائف، میر عسکری بلگرامی	〃
(۱۱) ریاض العلما، ملّا عبداللّٰہ آفندی	عربی
(۱۲) ریاض العارفین، شاہ محمد حنفی	فارسی
(۱۳) طرائق الحقائق، معصوم علی نعمۃ اللّٰہی شیرازی	〃
(۱۴) تذکرۂ صبح گلشن، ابوالنّصر محمد علی حسن خاں	〃
(۱۵) صحیفۃ الصّفا	〃
(۱۶) ریاض الشّعرا، علی قلی والہ داغستانی	〃
(۱۷) تذکرۂ شوستر، سیّد عبداللّٰہ فقیر شوستری	〃
(۱۸) خلاصۃ الافکار، ابوطالب تبریزی	〃
(۱۹) مخزن الغرائب، شیخ احمد علی سندیلوی	〃
(۲۰) امل الآمل، شیخ حرعاملی	عربی
(۲۱) روضات الجنّات، محمد باقر خوانساری	〃
(۲۲) نجوم السّماء، مرزا محمد علی کشمیری	فارسی
(۲۳) مطلع العلوم و مجمع الفنون، واجد علی خاں	〃
(۲۴) ایجاز المقال، شیخ فرج اللّٰہ العسکری	عربی
(۲۵) تذکرۂ علمائے ہند، رحمان علی حنفی	فارسی
(۲۶) خاتمۂ مستدرک الوسائل، علّامہ نوری	عربی
(۲۷) معجم الاعلام الشّرق والغرب، فردینان توتل مسیحی بیروتی	〃

(۲۸) الکنیٰ والالقاب، شیخ عبّاس قمیؔ	عربی
(۲۹) ہدیۃ الاحباب، شیخ عبّاس قمیؔ	"
(۳۰) قاموس الاعلام، سامی بیگ عثمانی، بزبانِ ترکی	ترکی
(۳۱) جنتہ العالیہ وجبتہ الغالیتہ، شیخ علی اکبر نہاوندی	فارسی
(۳۲) الذّریعہ الی تصانیف الشّیعہ، آغا بزرگ	عربی
(۳۳) ریحانتہ الادب، محمد علی تبریزی، تہرانی	فارسی
(۳۴) کشف الحجب والاستار، اعجاز حسین کنتوری	عربی
(۳۵) فیض الالٰہ ترجمۃ القاضی نوراللہ، جلال الدین الحسینی	"
(۳۶) نزہتہ الخواطر، عبدالحی حنفی ندوی	"
(۳۷) شہداء الفضیلہ، عبدالحسین الامینی	"
(۳۸) ذکرِ حمید احوالِ نوراللہ شہید، شبیر حسن محسن	اُردو
(۳۹) شہیدِ ثالث، مرزا محمد ہادی عزیز	"
(۴۰) صحیفۂ نور، سیّد صغیر حسن دہلوی	"
(۴۱) منتخب التّواریخ، محمد کاظم خراسانی	فارسی
(۴۲) تذکرۂ علمائے شیعہ، محمد حسین نوگانوی	اُردو
(۴۳) تذکرۃ العلما، مہدی علی فرّخ آبادی	فارسی
(۴۴) تاریخ آگرہ، محمد معین الدّین، حصہ اول	اُردو
(۴۵) تذکرۃ مجمع الخواص	تُرکی
(۴۶) بستانِ اخیار، سعید احمد مارہروی	اُردو

(۴۷) اللئالی المنتظمہ والدرر الثمینہ، شہاب الدین مرعشی — فارسی

(۴۸) روضۃ القیومیہ، شیخ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان حفید مجدد الف ثانی (مطبوعہ سرہند) — ״

(۴۹) ترجمہ اُردو روضۃ القیومیہ — اُردو

(۵۰) بیاض نواب عنایت خاں (قلمی) — فارسی

(۵۱) رودِ کوثر، شیخ محمد اکرم — اُردو

(۵۲) مآثر الامرا۔ صمصام الدولہ — فارسی

(53) The Religious Policy of the Mughal Emperors by Prof. Sri Ram.
(54) C.A. Story's Persian Literature.
(55) Borckel Manns Geschichte Der Aralischen Littettur.
(56) Blochmann's Trans A'ini Akhbari
(57) Goldziher Beitrage Zur Literaturges Chichteder Si'a lindder Sunnitischer. Polemik (Sitzungs berichte Der K. Akademic Wissens Chaften Vienna 1874.
(58) A review of the Beitrage in Z. D. M. G by G. Lath (1876)
(59) Taqijja, Van J. Horonitz in Der Islam III (1912)
(60) Rien, Catalogue of the Persian M.S.S. in the British Museum.
(61) Ethe, Catalogue of the Persian MSS in the library of the India Office.
(62) Thomas Wiliam Bealis An Oriental Biographical Dictionary.
(63) Gaztteer of India Uttar Pradesh Agra 1965, State Editor (Srimati) Esha Basanti Joshi I.A.S.

مکتوبِ شہید بنام سیّد حسن بخاری

ترجمہ

سیّد مرتضیٰ حسین نقوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

چمن احفاد سید راجو را خلیق نزین سلالہ وخرمن احقاد مخالفانِ تعصب خود را جوالہ ایست (حسن بن زین العابدین بن سید راجو شاہ) واو را با صاحبِ این مقالہ چندین رسل و رسالہ است واین فقیر جہت تنبیہ برکثرت تاُملِ او در تحقیقِ مذہب ائمۂ اطہار و شدّت توغّلِ او در تزییف مطلب اغیار، بعضی از اسئلۂ او را کہ از نواحی سند و "سوی پور" بدار الخلافۂ لاہور فرستادہ با اجوبۂ آن مذکور میسازد۔

سؤال اوّل آنکہ بچہ دلیل مذہب شیعۂ اثنی عشریہ مذہب امام جعفر علیہ السلام است ؟

جواب آنست کہ ہمچنانکہ علمای شافعی را مذہب شافعی ثابت می شود وبنقل اصحاب حنفی اعتقاد میکنیم کہ مذہب حنفی آنست کہ ایشان می گویند وہمچنین بنقل اصحابِ جعفر علیہ السلام ومجتہدان وعلمای شیعہ اثنی عشریہ ثابت می شود کہ مذہبی کہ دارند مذہب امام جعفر علیہ السلام است وآنکہ اہل سنت وجماعت مذہب امام جعفر علیہ السلام را ندانستہ باشند یا گویند کہ نمیدانیم کہ مذہب شیعۂ اثنی عشریہ مذہب امام جعفرؑ است ضرری بمذہب شیعہ نمی رساند ہمچنانکہ حنفی

مذهبیان مذهب شافعی را نمیدانند و ندانستن ایشان خللی در مذهب نمی رساند و همچنین بر عکس

وایضاً ملا سعدالدین تفتازانی که از اکابر علمائ اهلسنت وجماعت است ، در حاشیهٔ مختصر اصول عضدی اختلافی که در جواز بیع امهات اولاد و عدم آن در میان صحابه واقع شده اعتراف بآن نموده که مذهب شیعه مذهب امیرالمومنین علی علیه السلام است زیراکه در مقام دلیل برآنکه مذهب حضرت امیرؑ جواز بیع ست گفته که قول بجواز راشیعه ازاو نقل نموده اند و مذهب ایشانست وایشان مذهب آن حضرت را بهتر میدانند اینست حاصل کلام مولانای مذکور پس آنکه بعضی از اہل سنت وجماعت گویند که ما نمی دانیم مذهب شیعه اثنی عشریۂ مذهب حضرت امیرالمومنین علی علیه السلام است محض مکابره وعناد خواهد بود۔

سؤال دوم : اہل سنت وجماعت نیز دعوی می کنند که مذهب ما نیز مذهب امام جعفر علیه السلام است چراکه ابوحنیفه شاگرد امام جعفر علیه السلام بوده پس این اختلاف از کجا است ؟

جواب آنست که علمای اہل سنت وجماعت این دعوی میکنند ولهذا در بعضی از کتابهای خود نوشته اند که ابوالحسن اشعری در فلان سال مروّج مذهب اہل سنت وجماعت بوده وحضرت امام علی بن موسی الرّضا علیه السلام در فلان سال مروّج مذهب شیعۂ اثنی عشریه بوده وظاهر است که مذهب شیعه غیر مذهب اہل سنت وجماعت است پس چگونه مذهب اہل سنت مذهب علی بن موسی الرّضا و جدّاو امام جعفر علیهم السلام باشد واگرچنین بودی بایستی

که بگویند که در فلان سال علی بن موسی الرضا نیز مروّج مذهب اہل سنت وجماعت بوده القصه اینکه مذهب اہل سنّت وجماعت مذهب امام جعفرؑ باشد سخنی است که از روی جہل بر زبان جاہلان اہل سنّت جاری شده آنہا که از حقیقت مذهب خبری دارند این نمی گویند وپوشیده نماند که کسی که شاگرد شخصی باشد لازم نمی آید که مذهب آن شخص داشته باشد نمی بینی که ابوحنیفه شاگرد مالک نیز بوده و مذهب علیحده دارد و ہمچنین احمد حنبل شاگرد شافعی بوده و مذهبی دیگر دارد و ابوالحسن اشعری شاگرد ابو علی جبائی معتزلی بود و مذهبی دیگر دارد ونظیر این بسیار است۔

وایضاً شاگردی ابوحنیفه نسبت بحضرت امام جعفر علیه السّلام این قدر بوده که از آنحضرت بعضی از احادیث شنیده وچون آنحضرت او را از مردودان می دانسته ازاو تقیّه نمی نموده اظہار مذهب حق باو می نوده و او را مکرّر درباب عمل بقیاس تشنیع کرده والزام نموده واز آن بر نگردیده وتفصیل ردّی که آنحضرت در این باب باوحنیفه نموده اند در کتاب حیوة الحیوان که تصنیف یکی از علمای اہل سنت وجماعت است مذکور است۔

سؤال سیم آنکه در مذهب شیعه مجتهد است یا نیست اگر ہست پس مذهب مذهب مجتهد است نه مذهب امام جعفر ومجتهد گاه بر صوابست وگاه بر خطا ومذہبی که احتمال خطا داشته باشد صواب نخواهد بود۔

جواب آنست که مجتهدان در مذهب شیعهٔ اثنی عشریه بسیارند لیکی از این لازم نمی آید که مذهب مذهب مجتهد باشد بلکه اصل مذهب منسوب بامام است و

ایشان بقدر فهم و استعداد خود در آن مذهب اجتهاد میکنند هم چنانکه اهل سنت نیز مذهب خود را بیکی از شافعی و ابوحنیفه و مالک و احمد حنبل منسوب میسازند و ایشان را امام و مجتهد بالمذهب میگویند و مجتهدان در مذهب ایشان را مانند مزنی و ابویوسف قاضی و محمد بن الحسن الشیبانی را مجتهد فی المذهب می گویند و نسبت مذهب بایشان نمی دهند واگرنه چنین بودی که بایستی که اصول مذهب اهل سنت منحصر در چهار نبودی بلکه متجاوز از چهار هزار بودی و از این جا ظاهر شد که لازم نمی آید از آنکه مجتهدان شیعه در فهمیدن کلام امام خود گاهی خطائی کنند آنکه اصل مذهب امام ایشان خطا داشته باشد و حال آنکه در علم کلام برهان بر عصمت ایشان ثابت شده و ظاهر است که در مذهب معصوم و افعال و اقوال او خطائی باشد بخلاف مذهب چهار امام اهل سنت که هریک از آن چهار امام را با دیگری مخالفت تمام و در ابطال مذهب او صاحب اهتمام است.

و هم چنین جمعی کثیر از اصحاب ایشان که در آن چهار مذهب اجتهادات کرده اند و با ائمه خود مخالفت ها نیز نموده اند و طریق ابطال فتاوی ایشان را پیموده اند تا آنکه الحال در بسیاری از مسایل بقول اصحاب ایشان فتوی می دهند و فتوی امام مذهب را اعتباری نمی نهند و معهذا خطای مجتهدان مذهب شیعه که همیشه علم را از مشکوة نبوت و ولایت اخذ کرده اند و اجماعات ایشان بحضور امام علیه السلام انتظام یافته و بنای کار بر نصوص مفیده علم و یقین و آثار منقوله از فتاوی صادقین نهاده اند و در مرتبه خطای ائمه اهل سنت و مجتهدان ایشانست که مبنای احکام و اقوال بر مجرد اجتماع و اجماع جمعی از جهال و اعمال قیاس و استحسان و ظن

وتخمین مستنبط از اخبار موضوعهٔ زمان وامثال ایشان نهاده اند ولهذا در جائی که
مجتهدان مذهب شیعه در فهمیدن کلام خدا و پیغمبر و امام علیهم السّلام باهم مخالفت
کنند چنانکه مثلاً یکی سلام در نماز مستحبست و دیگری گوید که واجبست بیقین
می دانیم که مذهب امام بحسب ظاهر از این دو بیرون نیست ونحن نحکم بالظاهر
والله یتولی السرائر بخلاف آنکه دیگری گوید که سلام نه واجب است و نه مستحب و
این معنی را اصلا از سخن امام فهم نتوان کرد بلکه کلام امام صریح در خلاف آن باشد که
این هنگام بیقین می دانیم که خطا است واکثر مخالفت ها که ابوحنیفه وشافعی وامثال
ایشان با علمای شیعه نموده اند از این قبیل است که مبنای آن بر قیاس واستحسان
و مانند آنست و کلام ائمه واحادیث ایشان برخلاف آن دلالت صریح دارد واز
سخنان ایشان آنچه ایشان مذهب ساخته اند اصلا فهم نمی شود پس بیقین خطا باشد۔
سؤال چهارم آنکه شیعه بچه دلیل می گویند که مذهب ما حق است ومذهب
دیگران باطل است ؟

جواب دلیل آنست که بعد از آنکه مقرر شد که مذهب شیعهٔ اثنا عشریه
مذهب اهل بیت وعترت پیغمبر است و در کتب شیعه بدلیل عقلی ونقلی ثابت
شده که ائمه اهلبیت طاهر ومعصوم اند از خطا بی شبهه ثابت می شود که مذهب ایشان
حق است زیرا که مذهب معصومست ومعصوم برحق است واین نیز ظاهر است
که حضرت پیغمبر بموجب حدیث "انی ترکت فیکم الثقلین ما ان تمسکتم
به لن تضلوا بعدی کتاب الله وعترتی اهلبیتی " امّت خود را بمتابعت
کتاب خدا وعترت خود که بمعانی آن عالم اند وصیّت نموده وهیچ دلیل عقلی ونقلی

نیست کہ مارا متابعت ابوحنیفہ یا مالک یا شافعی یا حنبل جایز باشد پس شیعہ کہ تمسک بعترت پیغمبر نمودہ اند از ضلالت دور باشند و فرقہ حقہ ناجیہ ایشان باشند و حدیث مذکور در کتاب حدیث اہل سنت و جماعت مذکور است و صحت آن پیش ایشان مقرر و مشہور۔

سؤال پنجم آنکہ ہریک از ائمہ اثنا عشر را مذہب علیحدہ بودہ یا ہمہ ایشان یک مذہب داشتہ اند و اگر ہمہ ایشان یک مذہب داشتہ اند چرا آنرا بحضرت امام جعفر علیہ السلام نسبت می دہند و بمذہب آن حضرت اشتہار یافتہ ؟

جواب آنست کہ مذہب ایشان ہمہ یکی است اما چون بعضی از ائمہ معصومین ع کہ در زمان بنی امیہ بودند بواسطۂ اشتغال بقتال اہل بغی و ضلال و بعضی بسبب خوف اعدا مجال نیافتند و نتوانستند کہ تفصیل مذہب خود را آشکارا بمردم تعلیم نمایند و معظم وقایع و حوادث مکلفان را بیان فرمایند بلکہ بیان بعضی از کلیات مسایل و قلیلی از جزئیات آن ایشان را میسر شد لاجرم آن مذہب بنام ایشان مشہور نہ شد و چون حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در زمان خلفائے عباسی بود و آن قدر خوف کہ از بنی امیہ داشتند از ایشان نداشتند بلکہ قدمای عباسیان در باطن ہمہ شیعہ بودند لاجرم آنحضرت ع آشکارا تعلیم و ارشاد مردم می نمودند و احادیث بر مردم می خواندند و تفاصیل احکام حوادث مکلفان را اصحاب ایشان ضبط می کردند بنا برایں مذہب شیعہ بنام شریف ایشان نسبت یافت و در تواریخ مذکور است کہ در کوفہ و بغداد راویان حدیث آن حضرت زیادہ از ہفتاد ہزار بودہ اند۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۵۲۵ تا ۵۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلستانِ اولادِ سیّد راجو کے خلیق ترین فرزند، اور متعصّب مزاج مخالفین کے خرمن کے لیے شعلۂ آتش فشاں (حسن بن زین العابدین بن سید راجو شاہ) سے اس مضمون نگار کی خط وکتابت ہے۔ موصوف کے چند مکتوب میرے پاس موجود ہیں۔ اس حقیر (نوراللہ) نے موصوف کی تحقیق "مذہب ائمۂ اطہارؑ" اور کثرت غور وفکر، نیز مطلبِ اغیار کو باطل کرنے کی خاطر کوشش پر توجہ دلانے کی غرض سے ان کے ان سوالات کے اپنے جوابات نقل کر رہا ہوں جو انھوں نے "سوی پور" سے دارالخلافۃ لاہور میں مجھے بھیجے تھے:

سوال ۱:-

مذہب اثنا عشری امام جعفر صادق علیہ السّلام کا مذہب ہے۔ دلیل کیا ہے؟

جواب:

جس طرح مذہب شافعی علمارِ شافعیہ کے لیے ثابت ہوتا ہے اور اصحاب حنفی کے نقل سے یقین ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی وہی ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں، اسی طرح اصحابِ امام جعفر صادق علیہ السّلام اور مجتہدین وعلمارِ شیعہ

اثنا عشری کے نقل (اقوال) سے ثابت ہوتا ہے کہ جس مذہب کے یہ لوگ پیروکار ہیں وہی امام جعفر صادق علیہ السّلام کا مذہب ہے۔ رہا یہ کہ اہلسنّت والجماعت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے مذہب سے بے خبر ہیں اور وہ یہ کہیں کہ مذہب اثنا عشری مذہب امام جعفر صادقؑ ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ اس سے مذہب شیعہ کو اسی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچتا، جس طرح حنفی مذہب والوں کی ناواقفیت سے شافعی مذہب کو کوئی خلل نہیں پہنچتا یا اس کے برعکس۔

علما راہل سنّت والجماعت کے عالم بزرگ، ملا سعدالدین تفتازانی نے "مختصر اصول عضدی" میں بحث "جواز و عدم جواز بیع امہات اولاد" کے ضمن میں اختلاف صحابہ کا تذکرہ کرتے ہوئے، مذہب شیعہ کو مذہب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام مان چکے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے مذہب حضرت امیر علیہ السلام "جواز بیع" ہے پر دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ شیعوں نے "جواز بیع" کا قول آں جناب سے لیا ہے۔ یہی مذہب شیعہ ہے اور وہی لوگ آنحضرتؐ کے طریقے کو بہتر جانتے ہیں"۔ مولانا تفتازانی کا خلاصہ کلام۔

اس کے بعد بعض اہل سنت کا قول "ہمیں نہیں معلوم کہ مذہب اثنا عشری مذہب حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام ہے"، فقط مکابرہ و عناد و دشمنی ہے۔

سوال ۲:

اہل سنت والجماعت بھی دعوے دار ہیں کہ ہمارا مذہب بھی مذہب امام جعفر صادق علیہ السّلام ہے۔ کیونکہ ابو حنیفہ، امام جعفر صادق علیہ السّلام کے شاگرد تھے۔ پھر یہ اختلاف کیا ہے؟

جواب :

یہ اختلاف خود علما اہل سنّت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ، انھوں نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے ۔" ابوالحسن اشعری فلاں سال میں مذہب اہل سنّت کے مروّج تھے اور حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام فلاں سنہ میں مروّجِ مذہب شیعہ اثنا عشری تھے "۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ مذہب شیعہ غیر مذہب اہلِ سنّت وجماعت ہے اس تصریح کے بعد علی بن موسی الرضا اور ان کے دادا امام جعفر صادق علیہم السلام کا مذہب 'مذہب اہل سنت کیونکر ہو سکتا ہے۔اگر ان کا مذہب مذہب اہل سنت ہوتا تو مذکورۂ بالا عبارت یوں ہوتی :

" فلاں سنہ میں امام علی رضا علیہ السلام مروّج مذہب اہلسنت تھے"

خلاصہ یہ ہے کہ ۔ " مذہب اہل سنت وجماعت کا مذہب امام جعفر صادق علیہ السلام ہونا ایسی بات ہے جو ناواقف وانجان سنی عوام ہی کہہ سکتے ہیں، مذہب کے حقائق سے باخبر لوگ یہ بات کبھی نہیں کہتے ۔

واضح سی بات ہے کہ ایک شخص کے شاگرد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ استاد کا مذہب بھی قبول کرتا ہے ۔انہی ابو حنیفہ کو دیکھیے موصوف مالک کے بھی شاگرد تھے اور ان کا مذہب الگ ہے۔ یونہی احمد بن حنبل کے استاد شافعی تھے دونوں کے مذہب جدا جدا ہیں ۔ ابوالحسن اشعری شاگرد تھے ابو علی جبائی معتزلی کے خود اشعری کا مذہب اور تھا (وہ اشاعرہ کے سرخیل تھے) اس کی مثالیں بہت ہیں ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جناب ابوحنیفہ کی شاگردی اس حد تک تھی کہ موصوف نے حضرت سے حدیث سُنی تھی اور بس۔ چونکہ حضرت موصوف کو پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے تقیہ کے طور پر اپنا مسلک ان پر واضح بھی نہ کرتے تھے ان کے قیاس پر عمل کرنے کو بُرا جانتے اور ان کی گرفت کرتے تھے۔ مگر وہ باز نہ آتے تھے۔ علماء اہلِ سنّت میں سے ایک عالم کی کتاب حیٰوۃ الحیوان میں امام کی ایک تفصیلی گفتگو اور مذہب ابوحنیفہ کی رد تحریر ہے۔

سوال ۳:

شیعہ مذہب میں مجتہد ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر مجتہد ہیں تو مذہب اس مجتہد کا ہوگا نہ کہ امام جعفر صادق ؑ کا؟۔ نیز۔ مجتہد کبھی خطا بھی کرتا ہے اور جو مذہب احتمال خطا رکھتا ہو وہ مذہب صحیح نہیں ہو سکتا؟

جواب:

شیعہ مذہب میں مجتہد بہت ہیں۔ لیکن اس سے مذہب کا مذہبِ مجتہد ہونا لازم نہیں آتا۔ اصل مذہب امام کی طرف منسوب ہے مجتہدین اپنی فہم کے مطابق اور اپنی قابلیت کے حساب سے اجتہاد کرتے ہیں۔ یہی عمل اہل سنت حضرات کا ہے۔ وہ بھی اپنے مذہب کو کسی ایک سے منسوب کرتے ہیں۔ شافعی یا ابو حنیفہ، مالک یا احمد بن حنبل سے۔ ان لوگوں کو امام یا مجتہد بالمذہب کہتے ہیں اور ر مزنی۔ ابویوسف قاضی و محمد بن حسن شیبانی کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ مذہب کی نسبت ان کی طرف نہیں دیتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سنی مذہب چار مذہبوں پر منحصر ہونے کے بجائے چار ہزار تک پہنچتا۔ شیعہ مجتہدین چونکہ اپنے امام کا کلام

سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اس لیے ان کا مذہب بھی غلط ہوا ۔ باطل ہے۔ علم کلام میں اہل بیت کی عصمت ثابت ہوچکی ہے ۔ ظاہر ہے کہ مذہبِ معصوم اور قول وفعلِ معصوم میں غلطی ممکن نہیں ہے ۔ اہل سنّت کے چاروں اماموں کا معاملہ اس کے برخلاف ہے ۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مسلک کے خلاف اور اس کے مقابلہ میں نبرد آزما ہے ۔

ان کے ہم مذہب حضرات کی ایک بڑی تعداد ایسے علمار کی ہے جنھوں نے ائمہ اربعہ کے مذہب میں اجتہاد کیا ، اپنے ائمہ کی مخالفت کی بلکہ ان ائمہ کے فتاوی کو غلط قرار دینے اور ان کے مقابلے میں فتوے جاری کرنے سے بھی نہیں چوکے آج بھی متعدد مسائل میں یہ حضرات اپنا فتوی دیتے اور اپنے امام کے فتوے کی کوئی حقیقت نہیں مانتے ۔ اب مذہب شیعہ کے مجتہدین کی غلطی کی حقیقت سمجھیے۔

یہ علمار ہمیشہ شمع نبوت وامامت سے کسب نور کرتے ہیں ۔ ان کے اجماع امام کے وجود سے منور رہوتے ان کے کام علم ویقین کا فائدہ دینے والے احادیث اور صادق حضرات کے ملفوظات وفتاوئ پر مبنی ہوتے ہیں ۔ ائمہ اہل سنت کے فتووں کی غلطی اور مجتہدوں کی خطار اجتہادی کی اساس ایسے اتفاق واجماع اقوال وآرار پر ہے جن میں جاہل لوگ ہوتے تھے اور قیاس واستحسان ، ظن وتخمین سے کام لیتے ، موضوع احادیث پر بنیاد رکھتے تھے ۔

مذہب شیعہ کے مجتہدین جہاں فہم کلام خدا وحدیث پیغمبر وائمہ علیہم السلام میں باہم اختلاف کرتے ہیں اس کا انداز یہ ہوتا ہے ۔ تشہد کے بعد ایک سلام واجب ہے ، دوسرا کہتا ہے مستحب ہے ۔ یقیناً مذہب امام ظاہری

طور پر ان دو صورتوں کے علاوہ نہیں ہے۔ ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ بھید کی باتوں کا مالک ہے۔

اس کے مقابلے میں فریق ثانی کہتا ہے کہ سلام نہ واجب ہے نہ مستحب یہ مطلب کلامِ امام سے نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ کلام امام صراحتۃً اس کے برعکس ہے۔ اس صورت میں ہم کو غلطی کا یقین ہو جاتا ہے۔ علمائے شیعہ سے جناب ابو حنیفہ و شافعی جیسے حضرات کے اختلافات اسی قسم کے ہیں۔ ان کی بنیاد قیاس و استحسان پر ہے جبکہ کلام ائمہ و احادیث ان کے خلاف تصریح کرتے ہیں۔ اور ان کا مفہوم و مطلب ہرگز مبہم و غیر واضح نہیں ہوتا۔

سوال ۴:

شیعوں کے پاس ان کے مذہب کے صحیح و برحق اور دوسروں کے مذہب کے باطل ہونے پر کیا دلیل ہے ؟

جواب:

چونکہ مذہب شیعۂ اثنا عشریہ، مذہب اہل بیت و عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ ثابت شدہ امر ہے۔ نیز شیعہ کتابوں میں عقل و کتاب و سنت سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ مذہب معصوم کا مذہب ہے اور معصوم ہمیشہ حق پر ہوتا ہے لہٰذا یہ مذہب حق ہے۔ پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث ہے " انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بہ لن تضلّوا ابعدی کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی "، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے امت کو کتاب خدا اور اہل بیت کی پیروی

کا پابند کیا ہے۔ اس کے برخلاف کوئی دلیل عقلی و نقلی نہیں ہے جس سے ابو حنیفہ یا مالک یا شافعی یا حنبل کی اطاعت کا حکم ثابت ہوتا ہو۔

لہٰذا شیعہ جو دامن اہل بیت سے وابستہ ہیں گمراہی سے دور ہیں اور یہی نجات یافتہ فرقہ ہے مذکورہ حدیث اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں تحریر اور اس کی صحت بجائے خود ثابت و مشہور ہے۔

سوال ۵:

بارہ اماموں میں سے ہر ایک کا الگ مذہب تھا یا سب ایک ہی مذہب پر تھے؟ اگر سب کا مذہب ایک تھا تو پھر اس کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف ہی کیوں نسبت دی جاتی ہے اور ان کے مذہب سے کیوں مشہور ہے؟

جواب:

سب کا مذہب ایک ہی ہے چونکہ متعدد ائمہ معصومین بنی امیہ کے زمانے میں گزرے اور یہ حضرات باغیوں اور گم کردہ راہ افراد سے جنگ وجدال بحث و مباحثے یا ان کے سخت دباؤ اور ظلم کی وجہ سے وقت تبلیغ نہ پا سکے اور اپنا مذہب آشکارا لوگوں تک نہ پہنچا سکے اور بڑے بڑے واقعات و حوادث واحکام مکلفین کو تعلیم نہ دے سکے لہٰذا انھوں نے اہتمام کر کے کلیات اور کچھ ضروری جزئیات کی تعلیم پر اکتفا کی۔ تفصیلات نہ ہونے کی بنا پر مذہب ان کے نام سے مشہور نہ ہو سکا۔ چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام خلفاء بنی عباس کے دور میں تھے اور جس قدر خطرات بنی امیہ کے دور میں تھے اس وقت نہ تھے

بلکہ بنی عباس کے بزرگ اور پرانے لوگ دل میں شیعہ تھے۔ لہٰذا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کھلم کھلا تعلیم شروع کی اور عوام کی برملا ہدایت کی۔ حدیثیں لوگوں کو سنائیں اور تفصیلی احکام لکھے گئے۔ ان اسباب کی بنا پر یہ مذہب، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب ہوا۔

تواریخ میں ہے کہ کوفہ و بغداد میں امام سے راویوں کی تعداد ستّر ہزار سے بھی زیادہ تھی۔

آپ کے علمی ذوق اور روح کی تسکین کے لیے

دار الثقافۃ الاسلامیہ کی پیشکش

(۱) ہمارا پیام (ترجمہ: رسالتنا)

فکری، سیاسی اور تمدّنی انقلاب کا قرآنی پیغام
الشہید سیّد محمد باقر الصدرؒ کے افکار و تعلیمات کا مجموعہ
قیمت : -/۱۵ روپے

(۲) کتابُ المؤمن (تیسری صدی ہجری کی کتابِ حدیث)

امامِ رضاؑ کے صحابی جناب حسین بن سعید اہوازیؒ کی تالیف
ائمۂ اہلبیتؑ کے فلسفۂ اخلاق و معاشرت کی تعلیم کا مجموعہ
قیمت : -/۲۰ روپے

(۳) تذکرۂ مجید ...... شہیدِ ثالثؒ

تالیف : سیّد سبطِ الحسن ہنسوی مرحوم
شہیدِ ثالث قاضی نور اللہ شوستری کے حالات
برِصغیر میں مذہبِ شیعہ کی تاریخِ دعوت و تبلیغ
قیمت : -/۱۵ روپے

دار الثقافۃ الاسلامیہ